INTERMEDIATE

URDU SELECTIONS

PART I—PROSE

PUBLISHED BY THE
UNIVERSITY OF CALCUTTA
1938

PRINTED IN INDIA

PRINTED BY BHUPENDRALAL BANERJEE
AT THE CALCUTTA UNIVERSITY PRESS, SENATE HOUSE, CALCUTTA

Reg. No. 1141B—July, 1938—A.

کہہ دیا ہے، چہرے کی ساخت سے ان کو دہلی کا شہزادہ کہدو تو کہدو مگر لباس اور وضع قطع سے تو یہ ٹھیٹھ لکھنؤ والے معلوم ہوتے ہیں۔

جس کا دیکھو چوڑا سینہ، پتلی کمر، بنے ہوئے ڈنڈ۔ شرفا میں تو شاید ڈھونڈے سے ایک بھی نہ نکلے گا جس کو کسرت کا شوق نہ ہو اور بانک، بنوٹ اور لکڑی نہ جانتا ہو۔ بچپن ہی سے ان فنون کی تعلیم دی جاتی ہے مقابلے ہوتے ہیں، واہ واہ سے بچوں اور نوجوانوں کا دل بڑھاتے ہیں اور فنون سپاہ گری کو شرافت کا تمغہ سمجھتے ہیں۔

پر نیچي چولي کا انگرکھا، اس کے اوپر مخمل یا جامه وار کي خفتاني، پاؤں میں گلبدن یا غلطے کا ایک برکا پاجامه، جو لوگ لکھنؤ ہو آئے ہیں انھوں نے دہلي کے لباس کے ساتھه داڑھي کو بھي خیر باد

لگاتے ہیں بٹنوں کي بجاتے صرف ایک تکمه اور گھنڈي ہوتي هے جس کو "عاشق معشوق یا چشمے" کھتے ہیں اس کي آستینیں همیشه آدھي ہوتي ہیں - قلعے میں تو اس کو خفتان کہا جاتا هے - مگر شہر والے اس سینه کھلے نیمه آستین کو "شیرواني" کھتے ہیں - انگرکھے کے اوپر چوکور شامي رومال سموسه کر کے پیٹھه پر ڈال لیتے ہیں - اس رومال کو عام اصطلاح میں "ارخ چین" کھتے ہیں - کمر میں بھي بتي کر کے رومال لپیٹنے کا رواج هے، مگر بہت کم - پاجامه همیشه قیمتي کپڑے کا ہوتا هے، اکثر گلبدن، غلطے، مشروع، موڑے، اطلس، یا گورنت کا ہوتا هے - پراني وضع کے جو لوگ ہیں وہ تو اب بھي ایک بر ہي کا پاجامه پہنتے ہیں، مگر تنگ مہریوں کے پاجامے بھي چل نکلے ہیں - سلیم شاہي جوتي کا استعمال شروع ہو گیا هے - پھر بھي دہلي کے شرفا گھیتلي جوتي زیادہ پسند کرتے ہیں - شاید ہي شہر بھر میں کوئي ہوگا جس کے ہاتھه میں بانس کي لکڑي اور گز بھر کا لٹھه کا چوکور رومال نه ہو - ڈھونڈھه ڈھونڈھه کر لمبي پور کا ٹھوس بھاري بانس لیتے، تیل پلاتے، مہندي مل کر باورچي خانے میں لٹکاتے، یہاں تک که اس کي رنگت بدلتے بدلتے سیاہ ہو جاتي اور وزن تو ایسا ہو جاتا که گویا سیسه پلا دیا هے - جو نکلتا هے اینٹھتا ہوا نکلتا هے،

(آیندہ صفحه میں)

لکھنؤ کي دو پلڑي ٹوپي ھے' اونچي چولي کا انگرکھا ھے' نیچے باریک شربتي ململ کا کرتہ اور تنگ پاجامہ ھے' جنھوں نے قلعہ کبھي نھیں چھوڑا اُن کے جسم پر وھي پرانا لباس ھے سر پر چوگوشیہ ٹوپي' جسم

علاوہ بعض بعض لوگ پچ گوشیہ ٹوپي بھي پھنتے ھیں - اس ٹوپي میں پانچ گوشے ھوتے ھیں' لیکن اس کي کاٹ چو گوشیہ ٹوپي سے ذرا مختلف ھے - گوشوں کے اوپر کے حصے نوک دار ھوتے ھیں' بس سمجھہ لو کہ جیسے فصیل کے کنگورے نیچے دمے کي بجائے پتلي سي گوٹ ھوتي ھے - یہ ٹوپي قالب چڑھا کر پھني جاتي ھے - قالب چڑھہ کر بس ایسي معلوم ھوتي ھے جیسے ھمایوں کے مقبرے کا کنبد - عام لوگوں میں بڑے گول چندوے کي ٹوپي کا بھي بہت استعمال تھا بعض تو بالکل سادي ھوتي ھیں اور بعض سوزني کے کام کیا فیتے کے کام کي ھوتي ھیں - اس ٹوپي کو بھي قالب چڑھا کر پھنتے ھیں -

لباس میں انگرکھا بہت پسند کیا جاتا ھے - انگرکھے کي چولي اتني نیچي ھوتي ھے کہ ناف تک آتي ھے - چونکہ ھر شخص کو کسرت کا شوق ھے اس لئے جسم کي خوبصورتي دکھانے کے لئے آستین بہت چست رکھتے ھیں اور بعض شوقین آستینوں کو آگے سے کاٹ کر اُلٹ دیتے ھیں - انگرکھے کے نیچے کرتہ بہت کم لوگ پھنتے ھیں - قلعے والوں کے انگرکھے کے اوپر جامہ وار یا مخمل کي خفتان ھوتي ھے' بہت تکلف کیا تو اس کے حاشیوں پر سمور لگا لیا - نھیں تو عموماً پتلي لیس

(آیندہ صفحہ میں)

تراش خراش کرتا هے - اس طرح اس کا لباس آدها تیتر آدها بٹیر هو کر نه لکهنؤ کا رهتا هے نه دهلي کا - اب جو لوگ یہاں بهتے هیں اُن هي کو دیکهه لیجیے جو شاهزادے لکهنؤ آئے هیں ان کے سر پر

کلیاں ڈال دي هیں - اس طرح بجائے چار پهل کے ٹوپي کے آٹهه پهل کے هو گئے هیں خوبصورتي کے لئے دمے کے کناروں پر پتلي لیس اور گوشوں کے کناروں پر باریک قیطوں لگاتے هیں - بادشاہ سلامت کي ٹوپي هوتي تو اسي نمونے کي هے مگر سلمے ستارے کے کام سے لپي هوئي اور جا بجا موتي اور رنگینے ٹکے هوئے - اس قسم کي ٹوپي کئي طرح پهني جاتي تهي - قلعه والے تو پاکهوں کو کهڑا رکهتے هیں ' باقي لوگ ان کو کسي قدر دبا لیتے هیں - جو ٹوپي آٹهه پهل کي هوتي هے اس کے پاکهوں کو اتنا دباتے هیں که گوشے دمے کے باهر پهیل کر کنول کي شکل بن جاتے هیں - اس قسم کي ٹوپي همیشه آڑي پهني جاتي هے اور وہ بهي اس طرح که اس کا ایک کونه بائیں بهوں کو دبائے - اس ٹوپي کے علاوہ ارخ چین کي ٹوپي کا بهي بهت رواج هے - اس کا بنانا کچهه مشکل کام نہیں - ایک مستطیل کپڑے کے کناروں کو سر کے ناپ کے برابر سي لیا - نیچے پتلي سي گوٹ دیدي اور اوپر کے حصے میں چنٹ دے کر چهوٹا سا گول گنڈ لگا دیا - دهلي کي دو پلڑي ٹوپي اور لکهنؤ کي ٹوپي میں صرف یه فرق هے که یہاں یه ٹوپي اتني بڑي بناتے تهے که سر پر منڈهه جائے ' برخلاف اس کے لکهنؤ کي ٹوپي صرف بالوں پر دهري رهتي هے - ان ٹوپیوں کے

(آینده صفحه میں)

یہ ہوئی نہ جب سے **سلیمان شکوہ** کا اودھہ کے دربار
میں رسوخ ہوا خاندان کے کچھہ لوگ تو وہیں
جا رہے ہیں اور کچھہ ایسے ہیں کہ بنارس آتے جاتے
رہتے ہیں - جو وہاں جاکر آتا ہے لباس میں نئی

اچھی طرح پھر جائے - میرزا نوشہ کا تو ذکر جانے ہی دو وہ تو ڈیڑھہ
اینٹ کی مسجد الگ بناتے ہیں ' ان کی ٹوپی دنیا بھر سے جدا تھی '
نہ تاتاری کھال (خواہ وہ سمور ہو یا برہ) اس طرح لیا جاتا تھا کہ
نیچے کا گھیر اوپر کے چندوے سے ذرا بڑا ہے - اس کے بعد چار
کنگورے قائم کرکے کھال کو ٹوپی کی آدھی لمبان تک اس طرح کاٹ
لیا کہ ٹوپی گزگج کی شکل بن گئی - بیچ میں چندوے کی جگہ
مخمل یا گہرے رنگ کی بانات کنگوروں کے کناروں سے
ملاکر سی لی ' اندر استر دیدیا - چلو میرزا نوشہ کی ٹوپی ہو گئی -
شہر میں کلاہ تتری کا بہت استعمال ہے جس کو عام اصطلاح میں
چوگوشیہ ٹوپی کہتے ہیں - یہ بھی کئی وضع کی ہوتی ہیں اور کئی
طرح پہنی جاتی ہیں جو ٹوپی شرفا استعمال کرتے ہیں اس کا دمہ
(گوٹ) ذرا نیچا ہوتا ہے دمے کے اوپر چار پاکھے کی وضع بالکل
شاہجہانی محراب کی سی ہوتی ہے چاروں کو اس طرح ملا کر سیتے
ہیں کہ چاروں کونے کمرک (کمرخ) کے نمونے کے ہو جائیں - بعض
لوگوں نے اس میں ذرا جدت بھی کی ہے ' وہ یہ کہ دمے کو اونچا
کرکے پاکھوں کی لمبان کر چوڑان سے کسی قدر بڑھا دیا ہے اور ان
کے سل جانے کے بعد جو پھل پیدا ہوتے ہیں ان کو پھر کاٹ کر

(آیندہ صفحہ میں)

باندھتا ہے اور پھر چھوڑ دیتے ہیں، جلو سلام ہو گیا - باقي سب لوگوں سے معمولي طرح سلام کرتے ہیں - قلعہ والوں کي صورت کچھہ ایسي ہے کہ ایک ہي نظر میں پہچان لئے جاتے ہیں - شہزادے ہوں یا سلاطین زادے سب کي وضع قطع ایک ہي سي ہے - وہي لمبي گردن، وہي پتلي اونچي ناک، لمبا کتابي چہرہ، بڑي بڑي کبوتري آنکھیں، بڑا دہانہ، اونچا چوکا، آنکھوں کے نیچے کي ابھري ہوئي ہڈیاں، گہرا سانولا رنگ، داڑھي کلوں پر ہلکي، ٹھوڑي پر زیادہ - غرض جیسي مشابہت ان لوگوں میں ہے - شاید ہي کسي خاندان والوں میں ہوگي امیر تیمور سے لگاکر اس وقت تک ان کي شکل میں کوئي فرق نہیں آیا ہے پہلے تو قلعہ بھر کا ایک ہي لباس تھا[1] - مگر اب کچھہ دورنگي ہو گئي ہے - وجہ

---

(۱) اس مضمون میں جا بجا دہلي والوں کے لباس کا ذکر آیا ہے - مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذرا وضاحت سے اس لباس کو بتا دوں تاکہ پڑھنے والوں کي آنکھوں کے سامنے اس محفل کا نقشہ اور

(آیندہ صفحہ میں)

کر نہیں سکتے تھے خود ان میں اتنی قابلیت نہ تھی
جو دلی والوں کی پھبتیوں کو سنبھال سکتے اس لئے
تھوڑی دیر ھی دیر میں ٹھنڈے ھوکر رہ جاتے - میرزا
نوشہ اور حکیم مومن خاں پر ھمیشہ منھہ آتے تھے -
اسی لئے میرزا نوشہ مولانا صہبائی کے منھہ سے "آپ
کے درست" کا لفظ سن کر مسکرائے اور کہا "بھئی
میں تو ان کے منھہ کیوں لگنے لگا مگر آج دیکھا جائیگا
"ھر فرعونے را موسیٰ" سنتا ھوں کہ ھمارے میر صاحب
مولوی ھدھد کی شان میں آج کچھہ فرمانے والے ھیں -
ان کے سامنے اگر یہ "شہباز سخن" ٹک گئے تو میں
سمجھوں گا کہ بڑا کام کیا" غرض یہ باتیں ھو ھی
رھی تھیں - کہ اُستاد ذوق بھی اندر آگئے - تمام قلعہ
ان کے ساتھہ آیا تھا - صاحب سلامت کرکے سب اپنی
اپنی جگہہ بیٹھہ گئے - قلعہ والوں اور اُن لوگوں میں
جن کا تعلق قلعہ سے ھے سلام کرنے کا کچھہ عجیب
طریقہ ھے - سیدھے کھڑے ھوکر دایاں ھاتھہ اس طرح
کان تک لیجاتے ھیں جس طرح کوئی نماز کی نیت

کے هاتهي حافظ **ویراں** صاحب آگئے اور وہ آپ کے دوست **هدهد** بهي ساتهہ هیں ' دیکهئے آج کس کے چونچ مارتے هیں '' میاں **هدهد** کا نام **عبد الرحمن** هے۔ پورب کے رهنے والے هیں ' دلي میں آکر حکیم **آغا خاں عیش** کے هاں تهیر گئے هیں - ان کے بچوں کو پڑهاتے هیں حکیم صاحب هي کے مشورے سے **هدهد** تخلص اختیار کیا - ان هي کي تجویز سے چکي داڑهي رکهي ' سر منڈاکر نکو عمامہ باندها اور اس طرح کهٹ بڑهئي هوگئے - ان هي کے ذریعے سے دربار میں پهونچے اور '' **طائر الاراکین شہپر الملک ' هدهد الشعرا منقار جنگ بہادر** ' خطابات پائے - شروع شروع میں تو انکے ظریفانہ کلام سے مشاعرہ چمک جاتا تها ' مگر بعد میں انهوں نے استادان فن پر حملے شروع کردئے کهتے تو یہ هیں کہ حکیم صاحب کے اشارہ سے ایسا کیا ' لیکن کچهہ بهي هو ' آخر آخر سب کو ان سے کچهہ نفرت سي هوگئي اور بجائے دوسروں کا مذاق اڑنے کے خود ان کا مذاق اڑجاتا تها - حکیم صاحب علانیہ تو ان کي مدد

مرا حاجي بگو'' ابهي يه باتيں هوهي رهي تهيں كه **ميرزا نوشه** پالكي ميں سے اُترے **نير**' علائي' **سالك** اور **حزيں** اُن كے همراه تهے - ميرزا **غالب**' **مومن خاں** كي طرف بڑهے' مصافحه كيا اور كہا '' بهئي حكيم صاحب اج **محمد ناصرخاں** '**محزوں**' كا عظيم آباد سے خط آيا تها تم كو بهت بهت سلام لكها هے' معلوم نهيں كه كيوں ايكا ايكي پٹنه چلے گئے - خواجه **مير درد** كے پوتے هوكر ان كا دهلي كو چهوڑنا هم كو تو پسند نهيں آيا' اب ياروں كو روتے هيں - ديكهنا كيا درد بهرا شعر لكها هے -

نه تو نامه هے نه پيغام زباني آيا

آه **محزوں** مجهے يارانِ وطن بهول گئے

ارے بهئي رات تو خاصي آگئي هے' ابهي تک مياں **ابراهيم** نهيں آئے - آخر يه مشاعره شروع كب هوگا -''
حكيم صاحب كچهه جواب دينے هي والے تهے كه دروازے كے پاس '' السلام عليكم'' كي آواز آئي - مولانا صهبائي نے كہا - '' اے ليجيے ميرزا صاحب وه اُستاد كے نشان

رهے اُنھوں نے ھاتھه کو جسم سے اس طرح الگ رکھا
جیسے کوئي نجس چیز کو دور رکھتا ھے ۔ صاحب کے
جاتے ھي بہت احتیاط سے ھاتھه کئي بار دھویا ۔
کسي نے جاکر صاحب سے یه بات لگادي ۔ اُن کو بہت
غصه آیا که ھم نے تو ھاتھه ملاکر ان کي عزت افزائي
کي ۔ اُنھوں نے اس طرح ھماري توھین کي ۔ غرض
بڑي مشکل سے یه معامله رفع دفع ھوا ۔

مولوي صاحب میرے بھي اُستاد تھے ۔ میں بھي
آگے بڑھا ۔ آداب کیا فرمانے لگے ۔ میاں کریم الدین میں
تم کو ایسا نہیں سمجھتا تھا ۔ تم نے تو دھلي والونکو مات کردیا
سبحان الله ، سبحان الله ! کیا انتظام ھے ، دیکھکر دل
خوش ھوگیا ، خدا تمھیں اس سے زیادہ حوصله دے ''
میں نے عرض کي '' مولوي صاحب بھلا میں کیا اور
میري بساط کیا ، یه سب کیا دھرا نواب زین العابدین
خان کا ھے '' فرمانے لگے '' بھئی یه بھي اچھي ھوئي ،
وہ کہیں که سارا انتظام کریم الدین خاں کا ھے ، تم کہو
که نواب صاحب کا ھے ۔ چلو '' من ترا حاجي بگویم تو

نواب صاحب کرتے اور لا لا کر بٹھاتے حکیم مومن خان
آئے ان کے ساتھہ آزاد' **شیفتہ** صہبائي اور مولوي
مملوک العلي تھے - مولوي صاحب مدرسۂ دهلي میں
مدرس اول هیں - عجیب باکمال آدمي هیں - مدرسے
میں ان کي ذات با برکات سے وہ فیض هوا هے کہ
شاید هي کسي زمانے میں کسي اُستاد سے هوا هو -
بہت پابند شرع هیں' اس لئے خود شعر نہیں کہتے
مگر سمجھتے ایسا هیں کہ ان کا کسي شعر کي تعریف
گویا اس کو دوام کي سند دینا هے - کوئي ۶۰ سال
کا سن هے رهنے والے تو نانوتے کے هیں مگر مدتوں
سے دهلي میں آرهے هیں - دن رات پڑهنے پڑهانے سے
کام هے - مشاعروں میں کم جاتے هیں' یہاں شاید
مولانا **صہبائي** ان کو اپنے ساتھہ گھسیٹ لائے - تھوڑے
هي دن هوئے بچارے پابندي شرع اور تقوی کي
وجهہ سے چکر میں آگئے تھے - هوا یہ کہ رزیڈنٹ بہادر
مدرسے کے معائنہ کو آئے - ان کے علم اور رتبے کے
خیال سے هاتھہ ملایا جب تک صاحب بہادر رهاں

پھرتے ہیں، کبھی کپڑے پہن خاصے بھلے آدمی بن جاتے ہیں۔ کسی کے شاگرد نہیں اور پھر سب کے شاگرد ہیں۔ کبھی حکیم **آغا خان 'عیش'** سے اصلاح لینے لگتے ہیں کبھی **استاد ذوق** کے پاس اصلاح کے لئے غزل لے آتے ہیں۔ ذہن بلا کا پایا ہے، لاکھوں شعر زبان کی نوک پر ہیں، شعر سنا اور یاد ہوا۔ اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی کی غزل سنی اور یاد کرلی اور مشاعرے میں خود اپنے نام سے وہ غزل پڑھ ڈالی اور وہ بچارا منھہ دیکھتا رہ گیا۔ نواب صاحب آگے بڑھے، پوچھا "منشی جی یہ کیا رنگ ہے" کہنے لگے "اصلی رنگ، مشاعرہ کب شروع ہوتا ہے" نواب صاحب نے کہا "ابھی شروع ہوتا ہے آپ بیٹھئے تو سہی" خیر ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئے۔ میاں **عارف** نے ان پر ایک دوشالا لاکر ڈال دیا۔ اُنھوں نے اُٹھا کر پھینک دیا۔ غرض جس طرح ننگے آئے تھے اسی طرح بلا تکلف بیٹھے رہے اس کے بعد تو لوگوں کے آنے کا تانتا بندھ گیا۔ جو آتا اس کا استقبال

''صبح بھي بوسہ تو ديتا مجھے اے ماہ نہيں''
اُنھوں نے فوراً عرض کي -

''نا مناسب ھے مياں وقت سحر گاہ نہيں''
کسي نے ''وقت سحرگاہ'' کي ترکيب پر اعتراض کيا - اُنھوں نے جھٹ **صائب** کا يہ شعر پڑھا :—

آدمي پير چو شد حرص جواں مي گردد
خواب در وقت سحرگاہ گراں مي گردد

اور معترض صاحب اپنا سا منھہ لے کر رہ گئے -

بڑے دبلے پتلے آدمي تھے' رنگ بہت کالا تھا شاہ **نصير** نے اسي رنگ کا خاکہ اس طرح اُڑاياھے :—

اے خال رخ يار تجھے ٹھيک بناتا
پر چھوڑ ديا حافظ قرآن سمجھہ کر

نواب صاحب نے اُن سب کو بھي ساتھہ ليا اور اپني اپني جگہہ لاکر بٹھا ديا ابھي ان کو ٹھانے سے فارغ نہ ھوئے تھے کہ منشي **محمد علي 'تشنہ'** چم ننگے' نشے ميں چور' جھومتے جھامتے اندر آئے - نوجوان آدمي مگر عجيب حال ھے - کبھي برھنہ پڑے

جانتا ہو، جگت اُستاد ہیں، پہلے تو قلعے کا قلعہ ان کا شاگرد تھا مگر اُستاد **ذوق** کے قلعے میں قدم رکھتے ہی ان کا زور ذرا ٹوٹا ۔ یہ بھی زمانے کی آنکھیں دیکھے ہوئے تھے اور **شاہ نصیر** سے ٹکر لڑا چکے تھے، اس بڑھاپے میں بھی خم ٹھونک کر سامنے آگئے اور مرتے دم تک مقابلے سے نہ ہٹنا تھا نہ ہٹے ۔ کوئی ۹۰ برس کی عمر تھی، کمر دھری ہونے سے قد کمان بن گیا تھا ۔ اپنے زمانے کے "**بلعم باعور**" تھے لیکن غزل اس کڑاکے سے پڑھتے تھے کہ تمام مشاعرے پر چھا جاتے تھے ۔ ان کی استادی کا سکہ زمانے سے تمام دلی پر بیٹھا ہوا تھا ۔ پہلے میرزا **نیلی** کے اُستاد ہوئے، رفتہ رفتہ شاہ عالم **بادشاہ غازی** نور اللہ مرقدہ، تک رسائی ہو گئی ۔ اُن کو "**حافظ جیو**" کہتے تھے، اس لئے اسی نام سے تمام قلعے میں مشہو تھے ۔ مصرعے پر مصرعہ لگانے میں کمال تھا اور سند ایسے تراخ سے دیتے تھے کہ معترض منہ دیکھتے رہ جاتے تھے ایک روز بادشاہ سلامت نے مصرعہ کہا ۔

تخت کي قسم وہ وہ نسخے بٹیروں کے بتائے ھیں کہ قلعہ[1] تو قلعہ ھندوستان بھر میں کسي کے فرشتہ خاں کو بھي معلوم نہ ھوں گے اور اب وھي صاحبزادے صاحب ھیں کہ اُستاد ماننا تو درکنار مجھکو باپ بھي کہتے شرماتے ھیں - ھاں بھئی کیوں نہ ھو - تیرھویں صدي ھے ان کو بنارس بھیجکر میں تو مصیبت میں آگیا - ''ایک نقصان مایہ دوسرے شماتت ھمسایہ'' بیٹا ھاتھہ سے گیا تو گیا ' دن رات کي دانتا کلکل اور مول لي'' یہ باتیں کرتے کرتے نواب صاحب نے میاں 'رسا' کو لے جاکر ایک جگہ بٹھا دیا - ابھي ان سے فارغ نہ ھوئے تھے کہ شہزادوں کا ایک گروہ حافظ **عبد الرحمن** 'احسان' کو جھرمٹ میں لئے آپہنچا - بھلا دلي شہر میں کون ھے جو ''حافظ جیو'' کو نہ

---

(۱) روز روز کي خانہ جنگیوں نے ھر شہزادے کے دل میں یہ خیال پیدا کر دیا تھا کہ شاید کل میں ھي بادشاہ ھو جاؤں ' اس لئے قلعہ کے سب لوگ خواہ وہ شہزادے ھوں یا سلاطین زادے ھمیشہ تخت کي تاج کي اور اسي طرح کي قسمیں کھایا کرتے تھے -

تمام عمر نہ بھولوں گا - جب کبھی تجھے کوئی ضرورت
ہو تو میرے پاس آجایا کیجیو'' آگے چل کر اس
بدمعاش نے ان کو بہت دق کیا' - اول تو اس راز کا
ڈھنڈورا پیٹ دیا' دوسرے ہر تیسرے چوتھے ان سے
ایک دو روپئے مارلاتا - مگر انہوں نے کبھی ''نا''
نہیں کی'' جب جاتا کچھہ نہ کچھہ سلوک ضرور کرتے -

نواب **زین العابدین خاں** صاحب نے بڑھہ کر لب
فرش ان کو لیا اور پوچھا ''ہیں صاحب عالم! میاں
'**حیا**' آپ کے ساتھہ نہیں آئے'' میرزا **رحیم الدین 'حیا'**
ان کے بڑے بیٹے ہیں' لیکن تھوڑے دنوں سے باپ بیٹے
میں کچھہ صفائی نہیں رہی ہے نواب صاحب کا اتنا
کہنا تھا کہ صاحب عالم ناسور کی طرح پھوٹ بہے'
کہنے لگے - نواب! وہ بھلا میرے ساتھہ کیوں آتے - جب
سے بنارس ہوکر آئے ہیں ان کا تو رنگ ہی بدل
گیا - بیچارہ تو کس گنتی میں ہوں وہ کسی کو بھی
اب خاطر میں نہیں لاتے - پالا - پوسا' بڑا کیا'
پڑھایا' لکھایا' شاعر بنایا' بٹیریں لڑانا سکھایا اور

زور سے ابر آیا - سب نے جلدی جلدی مشاعرہ ختم
کیا - لوگ اپنے اپنے گھر گئے لیکن یہ ٹھہرے اپنی
وضع کے پابند، جب تک سب نہ جا چکے اپنی جگہ
سے نہ اُٹھے - ہاں گھڑی گھڑی جھک جھک کر آسمان
دیکھہ لیتے تھے - اتنے میں موسلا دھار مینہ برسنا
شروع ہوا - ایسا برسا کہ جل تھل بھر گئے کہیں
دو گھنٹے کے بعد خدا خدا کرکے ذرا مینہ تھما تو
یہ بھی اُٹھے مگر ایسا اندھیرا گھپ تھا کہ ھاتھہ
نہیں سوجھتا تھا - مالک مکان نے ایک نوکر
قندیل دے کر ساتھہ کر دیا - گلیوں میں ٹخنوں
ٹخنوں پانی تھا - ان بچارے کے پاؤں میں زردوزی
کا قیمتی جوتا، کیچڑ میں پاؤں رکھیں تو کیسے
رکھیں - آخر چپکے سے نوکر سے کہا تو اپنا جوتا مجھے
دیدے - اس کا جوتا کیا تھا - لتھیڑے تھے، وہی
گھسیٹتے ہوئے چلے اپنا جوتا بغل میں دبا لیا -
قلعہ پہنچ کر ایک نیا جوتا نوکر کو دیا اور کہا
"میاں تونے آج میرے ساتھہ ایسا احسان کیا ھے کہ

غرض کیا کہوں ایک عجیب تماشا تھا - میں تو الف لیلیٰ کا ابوالحسن ہو گیا - جدھر نظر جاتی اُدھر ہی کی ہو رہتی[1] - میں اس تماشے میں محو تھا کہ لوگوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا -

سب سے پہلے میرزا کریم الدین 'رسا' آئے - یہ سلاطین زادے ہیں - کوئی ستر برس کے پیٹے میں ہیں - استعداد علمی تو کم ہے مگر شاعری میں اپنے برابر کسی کو نہیں سمجھتے - بہت رحم دل' خوش خلق اور سادہ مزاج ہیں - دغل فصل نام کو نہیں ہے ملاح کہا کرتے ہیں کہ کشتی میں "چڑھے سب سے پہلے اور اُترے سب سے پیچھے" اُنھوں نے اس مقولہ کو مشاعرے سے متعلق کر دیا ہے - مشاعرے میں سب سے پہلے آتے ہیں اور جب تک ایک ایک کر کے سب نہیں چلے جاتے یہ اُٹھنے کا نام نہیں لیتے ایک روز کا واقعہ ہے کہ مشاعرہ ہو رہا تھا - بڑے

---

(۱) بزرگوں کی زبانی دیوان عام کے مشاعروں کا جو حال میں نے سنا ہے بجنسہ پر اس مشاعرے کا نقشہ قائم کیا -

میں پان بن رہے تھے - باورچی خانے میں حقوں کا تمام
سامان سلیقے سے جما ہوا تھا - جا بجا نوکر صاف
ستھرے لباس پہنے دست بستہ مؤدب کھڑے تھے -
تمام مکان مشک، عنبر اور اگر کی خوشبو سے پڑا
مہک رہا تھا - قالینوں کے سامنے تھوڑے فاصلے پر
حقوں کی قطار تھی حقے ایسے صاف ستھرے تھے کہ
معلوم ہوتا تھا ابھی دکان پر سے خرید ہو کر آئے ہیں
حقوں کے بیچ میں جو کچھ جگہ چھوٹ گئی تھی
وہاں چھوٹی چھوٹی تپائیاں رکھہ کر ان پر خاصدان
رکھہ دیئے تھے - خاصدانوں میں لال قندیل کی صافیوں
میں لپٹے ہوئے پان - گلوریوں کو صافی میں اسطرح
جمایا تھا کہ بیچ میں ایک ایک تہہ پھولوں کی
آگئی تھی - خاصدانوں کے برابر چھوٹی چھوٹی کشتیاں
ان میں اِلائچیاں، چکنی ڈلیاں اور بن دھنیا - مسند
کے سامنے چاندی کے دو شمعدان، اندر کافوری بتیاں
اوپر ہلکے سبز رنگ کے چھوٹے کنول - شمعدانوں کے
نیچے چاندی کے چھوٹے لگن، لگنوں میں عرق کیوڑہ،

مسند(۱) پیچھے سبز کارچوبي گاؤ تکیہ ' چاروں چوبوں پر چھوٹے چھوٹے آٹھ چاندي کے فانوس نصب تھے ' فانوس کے کنول بھي سبز - چوبوں کے سنہري کلسوں سے لگا کر نیچے تک موتے موتے موتیاں کے گجرے سہرے کي طرح لٹکے ہوئے - بیچ کي لڑیوں کو سمیٹ کر کلابتوني ڈوریوں سے جس کے کنوں پر مقیش کے گھپے تھے اس طرح چوبوں پر کس دیا گیا تھا کہ شامیانے کے چاروں طرف پھولوں کے دروازے بن گئے تھے - دیواروں میں کھونٹیاں تھیں وہاں کھونٹیوں اور جہاں کھونٹیاں نہیں تھیں وہاں کیلیں گاڑ کر پھولوں کے ہار لٹکا دیئے تھے - اس سرے سے لگا کر اس سرے تک سفید چھت گیري کے بیچوں بیچ موتیا کے ہار لٹکا کر لڑیوں کو چاروں طرف اس طرح کھینچدیا گیا تھا کہ بھوں کي چھتري بن گئي تھي - ایک صحنچي میں پاني کا انتظام تھا ' کورے کورے گھڑے رکھے تھے اور شورے میں جست کي صراحیاں لگي ہوئي تھیں ' دوسري صحنچي

---

(۱) سبز رنگ دہلي کا شاہي رنگ تھا -

کهتا واه میاں عارف! واه تم نے تو کمال کردیا۔ کہاں وہ بچارے کریم کا مکان اور کہاں یہ بادشاهي ٹهاٹهه واقعي تمهارا کهنا صحیح تها که اگر در هزار میں بهي کام نکل جائے تو یه سمجهو که کچهه نهیں آتها" چونے میں ابرک ملاکر مکان میں قلعي کي گئي تهي جس کي وجهه سے در و دیوار پڑے جگ مگ جگ مگ کر رهے تهے - صحن کو بهرواکر تختوں کے چوکے اس طرح بچهائے تهے که چبوتره اور صحن برابر هو گئے تهے - تختوں پر دري' چاندني کا فرش' اس پر قالینوں کا حاشیه پیچهے گاؤ تکیوں کي قطار' جهاڑوں' فانوسوں' هانڈیوں' دیوارگیروں' قمقموں چیني قندیلوں اور گلاسوں کي وه بهتات تهي که تمام مکانوں بقعهٔ نور بن گیا تها - جو چیز تهي خوبصورت اور جوشے تهي قرینے سے - سامنے کي صف کے بیچوں بیچ چهوٹاسا سبز مخمل کا کارچوبي شامیانه' گنگا جمني چوبوں پر سبز هي ریشمي طنابوں سے استاده تها - اس کے نیچے سبز مخمل کي کارچوبي

هیں تو اب تک واپس نہیں آئے - گھر سے جو نکلا تو بازار میں بڑی چہل پہل دیکھی - ہر شخص کی زبان پر مشاعرے کا ذکر تھا - کوئی کہتا تھا کہ یہ میاں کریم الدین خاں کون ہیں کوئی کہتا کہ بھئی کوئی ہوں مگر انتظام ایسا کیا ہے کہ دیکھکر جی خوش ہوتا ہے 'میں یہ باتیں سنتا اور دل میں خوش ہوتا ہوا قاضی کے حوض پر آیا کیا دیکھتا ہوں کہ سڑک کے دونوں جانب ٹٹیاں لگا کر اور ان میں روشنی کے گلاس جما کر رات کو دن کر دیا ہے - سڑک پر خوب چھڑکاؤ ہے - کٹورا بج رہا ہے - مبارک النساء بیگم کی حویلی کے بڑے پھاتک کو گلاسوں قمقموں اور قندیلوں سے سجا کر گلزار آتشیں کردیا ہے - صدر دروازے سے اندر کی دہلیز تک روشنی کا یہ عالم ہے کہ آنکھوں میں چکا چوند آتی ہے - مکان کے اندر جو قدم رکھا تو ہوش جاتے رہے یا اللہ یہ میرا ہی مکان ہے یا کسی شاہی محل میں آگیا ہوں - گھڑی گھڑی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتا اور

اگر میں مینہ نکالی تو مجھ پر دوھری تھری محنت پڑجائیگی۔'

۳ - ترتیب

بشعر و سخن مجلس اراستند
نشستند و گفتند و برخاستند

میں تاریخ ابوالفداء کے ترجمے میں ایسا گتھ گیا کہ ۷ - ۸ روز تک گھر سے باھر ھی نہ نکلا - نواب زین العابدین خاں کے شوق کی یہ حالت تھی کہ باوجود کمزوری و نقاھت کے روز صبح ھی سے جو باھر نکلتے تو کہیں رات کے آٹھ نو بجے جاکر ان کی صورت گھر میں دکھائی دیتی - اس لئے ان سے ملنا نہیں ھوا کہ کچھ حال پوچھتا - بہر حال یہ آٹھ دن آنکھ بند کرتے گزر گئے اور مشاعرے کی تاریخ آھی گئی ۱۴ رجب کو شام کے ساڑھے سات بجے کے قریب میں بھی مشاعرے میں جانے کو تیار ھوا - نواب صاحب کو دریافت کیا تو معلوم ھوا کہ وہ صبح سے جو گئے

احب سے صفائي نہیں ھے''۔ میں نے کہا '' نواب صاحب! آپ کیا فرماتے ھیں ان پر تو آپ کي بیماري سننے کا ایسا اثر ھوا کہ بیان نہیں کر سکتا۔ شاید ان کا سگا بھائي بھي ھوتا تو اتنا ھي اثر ھوتا۔ مفتي صاحب سے معلوم ھوا کہ اُنھوں نے مشاعروں میں نہ جانے کا عہد کر لیا تھا صرف آپ کي وجہ سے اُنھوں نے یہ عہد توڑا ھے''۔ نواب صاحب نے کہا '' بھئی، تم کو ان لوگوں کي محبتوں کا کیا حال معلوم؟ یہ لوگ وہ ھیں کہ اپنے دشمن کو بھي مصیبت میں نہیں دیکھہ سکتے۔ خیر اس کو جانے دو اب یہ بتاؤ کہ تمھارا مکان خالي ھو گیا یا نہیں'' میں نے کہا جي ھاں بالکل خالي ھے۔ حکم ھو تو میں بھي خدمت میں حاضر رہ کر مدد کروں، فرمایا نہیں بھئی، نہیں - جہاں دو آدمیوں نے مل کر کسي کام میں ھاتھہ ڈالا اور وہ خراب ھوا۔ تم اس انتظام کو بس مجھہ پر چھوڑ دو میں جانوں اور میرا کام جانے۔ بلکہ تم تو ادھر آنا بھي نہیں۔ تم نے آکر

میں آداب کر کے تخت کے ایک کونے پر دوزانو بیٹھ گیا - مفتي صاحب نے آنے کا سبب پوچھا - میں نے حکیم **مومن خان** کا پیام پہنچا دیا - مفتي صاحب نے بڑے تعجب سے پوچھا " ہیں! خاں صاحب نے تو مشاعرے میں نہ آنے کا عہد کر لیا ہے - بھئی **شیفتہ**! یہ کیا معاملہ ہے؟ یا تو خود نہیں جاتے تھے یا دوسروں کو بھي ساتھہ گھسیٹ رہے ہیں " میں نے نواب **زین العابدین خان عارف** کا واقعہ بیان کیا - کہنے لگے " ہاں، یوں کہو، یہ بات ہے - ورنہ مجھے تو یہ سن کر حیرت ہوئي تھي کہ حکیم صاحب اور مشاعرے میں جائیں - اچھا بھئی **عارف** سے کہدینا کہ میں اور **شیفتہ** دونوں آئیں گے " یہاں سے چھٹي ہوئي تو میں یہ سمجھا گویا گنگا نہا لیا - خوشي خوشي آکر **نواب زین العابدین خان** سے واقعہ بیان کیا - وہ بھي مطمئن ہو گئے - میں نے حکیم **مومن خان** کا جب حال بیان کیا تو اُن کے آنسو نکل آئے - کہنے لگے " میاں **کریم الدین**! تم کو یہ بھي معلوم ہے کہ میري حکیم

چبوترے کے اوپر تخت بچھے ہوئے تھے' اس پر چاندنی کا فرش اور دو طرف گاؤ تکئے لگے ہوئے تھے - تختوں پر مفتی صاحب اور نواب صاحب بیٹھے باتیں کر رہے تھے - مفتی صاحب کی عمر کوئی ۵۶' ۵۷ سال کی تھی - گداز جسم' سانولا رنگ' چھوٹی چھوٹی آنکھیں ذرا اندر کو دھنسی ہوئیں' بھری ہوئی ڈاڑھی' بہت سیدھی سادی وضع کے آدمی ہیں ظاہری نمائش سے کوئی سروکار نہیں - لباس سفید ایک برکا پاجامہ' سفید کرتا اور سفید ہی صافہ تھا - جامہ زیبی میں حکیم **مومن خان** کے بعد دھلی میں نواب مصطفیٰ **خان شیفتہ** ہی کا نمبر تھا - ان کا رنگ گہرا سانولا تھا لیکن ناک نقشہ غضب کا پایا تھا اس پر نیچی سیاہ گول ڈاڑھی بہت بھلی معلوم ہوتی تھی - جسم کسی قدر بھاری اور قد متوسط تھا - لباس میں بھی زیادہ تکلف نہیں کرتے تھے - تنگ مہری کا سفید پاجامہ' سفید کرتہ' نیچی چولی کا سفید انگرکھا اور قبلہ نما پچگوشیہ ٹوپی پہنتے تھے - تقریباً ۳۹' ۴۰ سال کی عمر تھی -

هی نہیں رہا مگر بھئي بات یہ ہے کہ جب تک مقابلہ
کي صورت نہ ہو نہ شعر کہنے میں جي لگتا ہے اور
نہ پڑھنے میں لطف آتا ہے'' یہ کہکر وہ کپڑے دیکھنے
میں مشغول ہوگئے اور میں سلام کرکے رخصت ہوا -

چتلي قبر کے قریب حویلي عزیز آبادي کے سامنے
مفتي صدر الدین صاحب کا مکان تھا اُس نزدیک متیا
محل میں نواب مصطفیٰ خان صاحب شیفتہ رہتے ہیں -
مفتي صاحب کے ہاں جاکر معلوم ہوا کہ شیفتہ بھي
مفتي صاحب هي کے پاس بیٹھے ہیں میں نے کہا چلو'
اس سے بہتر موقع ملنا مشکل ہے' دونوں سے ایک هي
جگہ ملنا ہو گیا - یہ سوچ کر اندر گیا - مکان کوٹھي
کے نمونے کا ہے' انگریزي اور ہندوستاني دونوں وضع
کو ملاکر بنایا گیا ہے - صحن بہت بڑا نہیں ہے -
اس میں مختصر سي نہر ہے - سامنے دالان در دالان
اور پہلو میں انگریزي وضع کے کمرے ہیں - باہر کے
دالان میں کواڑ لگاکر اس کو بھي کمرے کي شکل
کا کر دیا ہے - دالانوں کے سامنے اونچا چبوترہ ہے -

بھی تم جاؤ ، میری طرف سے عارف سے کہدینا کہ میاں میں ضرور آؤں گا " جب میں نے دیکھا کہ یہ جادر چل گیا تو اور پاؤں پھیلائے اور کہا " نواب صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مولوی صہبائی صاحب ، مفتی صدرالدین صاحب اور نواب مصطفی خاں صاحب شیفتہ کو بھی اپنے ہمراہ لائیے گا تو عنایت ہوگی " حکیم صاحب کہنے لگے - " میاں صہبائی سے تو میں ابھی کہے دیتا ہوں ، اب رہے آزردہ اور شیفتہ تو واپس جاتے جاتے ان سے بھی کہتے جاؤ - یہ کہدینا کہ میں نے تم کو بھیجا ہے ، ہاں تاریخ کیا مقرر کی ہے ، مشاعرہ کہاں ہوگا اور ' طرح ' کیا ہے " - میں نے تاریخ بتاکر مکان کا پتہ دیا - ' طرح ' کے متعلق حضرت جہاں پناہ کے حضور میں جو گفتگو ہوئی تھی وہ بیان کی - کہنے لگے " ہمارے بادشاہ سلامت بھی عجیب چیز ہیں - جو سوجھتی ہے - نئی سوجھتی ہے - شاید ایسا مشاعرہ کہیں بھی نہ ہوا ہوگا جس میں ' طرح ' نہ دی گئی ہو - خیر یہ تو اچھا ہوا جھگڑے کا جونپڑا

میں مجھسے غلطي هوئي - میں نے جو اپني رائے پر اصرار کیا تھا اس کي معافي چاهتا هوں'' کهنے لگے '' بھئی انسان هي سے تو غلطي هوتي هے هاں تو بھی صهبائي مشاعرے کے متعلق همارا تو صاف جواب هے''- میں نے جب دیکھا کہ خاں صاحب هاتھوں سے نکلے هي جارهے هیں تو مجھے نواب زین العابدین خاں عارف کا هے - وہ بہت بیمار هوگئے هیں اور ان کو اب زندگي کي امید نہیں رهي - انکي آخري خواهش هے کہ مرتے مرتے ایک ایسا مشاعرہ دیکھہ لوں جس میں دهلي کے تمام کاملین فن جمع هوں - وہ خود حاضر هوتے مگر حکیم احسن اللہ خاں صاحب ان کو کهیں آنے جانے سے منع کردیا هے''- یہ آخري فقرہ میں نے اپني طرف سے بڑھا دیا - خانصاحب بڑے غور میري بات سنتے رهے- میں خاموش هوا تو مولوي امام بخش صاحب کي طرف متوجه هوکر کهنے لگے '' افسوس هے ' کیا خوش فکر اور ذهین شخص هے - یہ عمر اور یہ مایوسي ' سچ هے همیشہ رهے نام اللہ کا'' میري طرف دیکھکر کہا '' اچھا

میں نے عرض کی کہ ''اِس مشاعرے میں اُستاد ذوق اور میرزا نوشہ نے آنے کا وعدہ کرلیا ہے - حضرت ظل سبحانی کی غزل بھی آئے گی'' فرمایا '' ہرشخص مختار ہے - خود آئے یا غزل بھیجے' میں تو نہ آؤنگا نہ غزل بھیجوں گا '' یہ باتیں ہی ہورہی تھیں کہ ایک بنارس کا سوداگر کپڑوں کے دو گٹھے لیکر آیا شہر میں جب کوئی کپڑوں کا سوداگر آتا حکیم صاحب کے پاس اس کا آنا لازمی تھا - ریشمی کپڑوں سے انکو عشق تھا کوئی کپڑا پسند آتا تو پھر قیمت کی پروا نہیں کرتے تھے - جو مانگتا دیتے - اس سوداگر نے آکر ایک گٹھری مزدور کے سر پر سے اتاری - اس میں سے پٹ سے ایک چھپکلی نیچے گری اور دوڑ کر سامنے کی دیوار پر جو جمی بیٹھی تھی وہ لپک کر اس سے آملی اور دونوں مل کر ایک طرف چلی گئیں - ہم لوگ بیٹھے یہ تماشہ دیکھتے رہے - جب دونوں چھپکلیاں چلی گئیں تو حکیم صاحب نے کہا '' کہو میاں رقم تم نے دیکھا'' انہوں نے کہا ''جی ہاں ایک خانے کے حساب لگانے

صائب دو چیز مي شکند قدر شعر را
تحسین نا شناس و سکوت سخن شناس

دوسرے صاحب هیں وہ هد هد کو ساتھہ لئے پھرتے هیں اور خواہ مخواہ اُستادوں پر حملہ کرتے هیں - خود تو میدان میں نہیں آتے ' اپنے نا اهل پٹھوں کو مقابلے میں لاتے هیں اس روز جو اس جانور نے یہ شعر پڑھکر

مرکز محورِ گردوں بہ لب آب نہیں
ناخنِ قوسِ قزح ' شبهۂ مضراب نہیں

کہا کہ یہ غالب کے رنگ میں لکھا ھے تو میں بیان نہیں کرسکتا کہ مجھکو کس قدر ناگوار گزرا - غالب کے رنگ میں شعر کہنا تو کجا وہ یا اُن کے اُستاد پہلے میرزا نوشہ کے شعروں کو سمجھہ تو لیں - اب رھے میر صاحب[1] تو اُن کي بات دوسري ھے وہ بھي واھیات بکتے هیں مگر کسي پر حملہ نہیں کرتے بلکہ ان کي وجہ سے مشاعرے میں چہل پہل هوجاتي ھے - بھئي میں نے تو اسي وجہہ سے مشاعروں میں جانا هي ترک کردیا ھے -

---

(۱) ان کا مفصل حال آگے آئے گا یہ بھي عجیب قسم تھے -

خوبصورت اور شکیل آدمي تھے - اُستاد کا ایسا ادب کرتے تھے جیسے کوئي بیٹا باپ کا کرتا ھے - حکیم صاحب کي باتیں سن کر "بہت خوب ' مناسب" کہتے رھے - ان سے گفتگو کرکے حکیم صاحب ھماری طرف متوجہ ھوئے اور کہنے لگے "ارے بھئی صہبائي ! تم تو کئی دن سے نہیں آئے - کہو خیریت تو ھے اور آپ کے ساتھہ یہ کون صاحب ھیں" مولوي صہبائي نے کہا "یہ پہلے کالج میں شاگرد تھے ' اب مطبع کھول لیا ھے ' وھاں مشاعرہ کرنا چاھتے ھیں ' آپ کو تکلیف دینے آئے ھیں" حکیم صاحب نے ھنس کر کہا "بس صاحب مجھے تو معاف ھي کیجئے اب دھلي کے مشاعرے شریفوں کے جانے کے قابل نہیں رھے ایک صاحب(۱) ھیں وہ اپني امت کو لیکر چڑھ آتے ھیں ' شعر سمجھنے کي تو کسي کو تمیز نہیں ' مفت میں واہ واہ ! سبحان اللہ سبحان اللہ ! غل مچا کر طبیعت کو منغض کردیتے ھیں - یہ نہیں سمجھتے کہ -

---

(۱) یہ اُستاد ذوق اور شہزادوں کي طرف اشارہ تھا -

تو میں خود حل کر کے ان کے پاس بھیج دیتا ہوں ' جو سمجھ میں نہیں آتے وہ آپ کے پاس لے آتا ہوں '' ۔ حکیم صاحب نے نظر اُٹھا کر ہماری طرف دیکھا ۔ ہمارا سلام لے کر کہا ۔ '' بیٹھئے ' بیٹھئے '' ہم بیٹھ گئے اور وہ پھر صاحب عالم کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے '' میاں **حبا** ! جو نقشہ تم لائے ہو وہ تو میرے خیال میں کچھ پچیدہ نہیں ہے - تم کہتے ہو کہ سرخ مہروں کو مات ہوگی ' میں کہتا ہوں نہیں سبز کو ہوگی ۔ تم بساط بچھاؤ ' میں ابھی سمجھائے دیتا ہوں - اچھا پہلے ذرا مولوی **صہبائی** سے بات کر لوں اور میاں **سکھانند** ! تم بیٹھے انتظار کرتے رہو ۔ میں حکم لگا چکا ہوں کہ جب تک پورب کے طرف سے اس چھپکلی کا جوڑا نہ آجائے یہ سامنے کی دیوار سے نہ جائےگی - اس کا جوڑا آئے پھر آئے '' - **سکھانند** حکیم تھے ' **رقم** تخلص کرتے تھے ' دھرم پورے میں رہتے تھے ' کوئی ۴۰ سال کی عمر تھی - ریختے میں شاہ **نصیر** کے اور رمل میں خاں صاحب کے شاگرد تھے - بڑے خوش پوشاک ' خوش اخلاق ' ظریف الطبع ' حلیم '

میں پتلا سا خار پشت ' پاؤں میں سرخ گلبدني کا پاجامہ مہریوں پر سے تنگ اوپر جاکر کسي قدر ڈھیلا - کبھي کبھي ایک پرکا پاجامہ بھي پہنتے تھے - مگر کسي قسم کا بھي ہو - ہمیشہ ریشمي اور قیمتي ہوتا تھا ' چوڑا سرخ نیفہ - انگرکھے کي آستینیں آگے سے کٹي ہوئیں ' کبھي لٹکتي رہتي تھیں اور کبھي پلٹ کر چڑھا لیتے تھے - سر پر گلشن کي بڑي دو پلڑي ٹوپي ' اس کے کنارے پر باریک لیس - ٹوپي اتني بڑي تھي کہ سر پر اچھي طرح منڈھہ کر آگئي تھي - اندر سے مانگ اور ماتھے کا کچھہ حصہ اور بال صاف جھلکتے تھے - غرض یہ کہ نہایت خوش پوشاک اور جامہ زیب آدمي تھے - جب ہم دونوں پہنچے تو صاحب عالم میرزا رحیم الدین 'حیا' سے کہہ رہے تھے کہ "صاحب عالم! تمہارے شطرنج کے نقشوں نے میرا ناک میں دم کر دیا ہے ؟ ایک ہوں ' دو ہوں ' آخر یہ روز روز کي فرمائشیں کوئي کہاں تک پوري کرے" صاحب عالم نے کہا "اُستاد کیا کروں رزیڈنٹ کے پاس ولایت سے حل کے لئے شطرنج کے نقشے آیا کرتے ہیں ' کچھہ

آنکھہ اُتھا کر دیکھنے اور بلا ضرورت بولنے کا یارا نہیں - حکیم مومن خان کي عمر تقریباً ۴۰ سال کي تھي - کیشدہ قامت ' سرخ و سفید رنگ تھا جس میں سبزي جھلکتي تھي بڑي بڑي روشن آنکھیں ' لمبي لمبي پلکیں ' کھینچي ہوئي بھوئیں ' لمبي ستوں ناک ' پتلے پتلے ہونٹ اُن پر پان کا لاکھا جما ہوا ' مسي آلودہ دانت ' ہلکي ہلکي موچھیں ' خشخاشي ڈاڑھي ' بھرے بھرے ڈنڈ ' پتلي کمر ' چوڑا سینہ اور لمبي اُنگلیاں - سر پر گھونگرو والے لمبے لمبے بال کا کلوں کي شکل میں کچھہ تو پشت پر اور کچھہ کندھوں پر پڑے ہوئے - کان کے قریب تھوڑے سے بالوں کو موڑ کر زلفیں بنا لیا تھا - بدن پر شربتي ململ کا نیچي چولي کا انگرکھا تھا لیکن اس کے نیچے کرتہ نہ تھا اور جسم کا کچھہ حصہ انگرکھے کے پردے میں سے دکھائي دیتا تھا - گلے میں سیاہ رنگ کا فیتہ ' اس میں چھوٹا سا سنہري تعویذ - کا کریزي رنگ کے دوپٹے سوبل دے کر کمر میں لپیٹ لیا تھا اور اس کے دونوں کونے سامنے پڑے ہوئے تھے - ہاتھہ

حال بیان کیا کہنے لگے ''چلو میں بھي وهیں جا رها هوں،، حکیم آغا خاں کے چھتے کے سامنے خاں صاحب کا مکان تھا - بڑا دروازہ هے' اندر بہت وسیع صحن اور اس کے چاروں طرف عمارت هے - دو طرف دو صحنچیاں هیں اور سامنے بڑے بڑے دالان در دالان - پہلے دالان کے اوپر کمرہ هے - سامنے کے دالان کي چھت کو کمرے کا صحن کر دیا هے - لیکن منڈیر بہت چھوٹي رکھي هے[1] - دالانوں میں چاندني کا فرش هے - اندر کے دالان میں بیچوں بیچ قالین بچھا هوا' قالین پر گاؤتکئے سے لگے حکیم صاحب بیٹھے هیں - سامنے حکیم سکھانند المتخلص به رقم اور میرزا رحیم الدین 'حیا' مؤدب دو زانو بیٹھے هیں - معلوم هوتا تھا کہ کوئي دربار هو رها هے کہ کسي کو

---

(۱) میں نے خود یہ مکان ۲۰' ۲۲ برس هوئے دیکھا تھا - ٹوٹ کر کھنڈر هو گیا تھا - تین طرف کي عمارت ڈھے گئي تھي - سامنے کا حصہ قائم تھا - معلوم نہیں کہ اوپر کي منڈیر کیوں اتني نیچي رکھي گئي تھي اسي منڈیر سے ٹھوکر کھا کر حکیم مومن خاں نیچے گرے - هاتھ اور بازو ٹوٹ گیا اور اسي کي وجہ سے ان کا انتقال هوا - خود هي مرنے کي تاریخ کہي تھي کہ ''دست و بازو بشکست،،

تو میں بھی حاضر ہوں'' جب یہ مرحلہ بھی طے ہوگیا تو
میں نے اجازت چاہی - وہاں رخصت ہوکر زین العابدین خاں
کے مکان میں آیا - اُنہوں نے مردانے کا ایک حصہ میرے
لئے خالی کر دیا - جو اسباب صبح میں نے بھیجا تھا اس کو
جما جمایا پایا - کپڑے اُتارے اندر سے کھانا آیا -
کھانا کھاکر تھوڑی دیر سو رہا - چار بجے کے قریب
اُٹھ کر حکیم مومن خاں کے ہاں جانے کی تیاری کی -

حکیم صاحب کا مکان چیلوں کے کوچہ میں ہے - راستے
میں مولوی امام بخش صاحب صہبائی مل گئے - یہ کالج
میں میرے اُستاد رہے ہیں - کھلا ہوا گندم گوں رنگ ہے '
منھہ پر کہیں کہیں چیچک کے داغ ہیں - سر پر پٹے
ہیں ' بڑے دبلے پتلے آدمی ہیں کوئی ۴۰ سال کی عمر
ہوگی - ایک برکا سفید پاجامہ ' سفید انگرکھا ' کشمیری
کام کا جبہ پہنتے اور سر پر چھوٹا سفید صافہ باندھتے
ہیں - یہ بھی چیلوں کے کوچے ہی میں رہتے ہیں - مجھہ
سے پوچھنے لگے '' کہاں جاتے ہو'' میں نے کہا '' حکیم
مومن خاں کے پاس'' پوچھا '' کیا کام ہے'' میں نے

نے پوچھا " مگر بھی اب تک علائي نہیں آئے مجھکو اُن کا کل سے انتظار ہے - اے لو! وہ آھي گئے - بھئي بڑي عمر ہے' ابھي میں تم کو پوچھہ رھا تھا - '

نواب علاء الدین خاں علائي ' نواب لوھارو کے ولي عہد ھیں - کوئي ۲۳ - ۲۴ سال کي عمر ہے - متوسط قد ' گندمي رنگ ' موٹا موٹا نقشہ ' گول چہرہ ' شربتي آنکھیں اور گھني چڑھي ھوئي ڈاڑھي ہے - لباس میں غلطے کا تنگ مہري کا پاجامہ سفید جامداني کا انگرکھا ' اس پر سینہ کھلي ھوئي سیاہ مخمل کي نیمہ آستین اور سر پر سیاہ مخمل کي چوگوشیہ ٹوپي تھي ' وہ بھي آداب کرکے ایک طرف بیٹھہ گئے اور کہا واقعي آج دیر ھوگئي ' مجھے خود خیال تھا کہ آپ انتظار کر رہے ھونگے ' میري طرف دیکھکر کہا - آپ کي تعریف ' میرزا نوشہ نے تمام قصہ بیان کیا اور کہا علائي تم کو بھي چلنا ھوگا ' ابھي تو شاید تم لوھارو نہیں جا رہے ھو ' اُنھوں نے کہا " بہت خوب آپ تشریف لے جائیں گے

بنا کندھے پر ڈالے ہوئے تھے - میں نے اُٹھہ کر سلام کیا -
اُنھوں نے بڑھکر مصافحہ کیا اور خاموش ایک طرف
دو زانو نہایت ادب سے بیٹھہ گئے - تھوڑی دیر میں
مرزا **غالب** لکھنے سے فارغ ہوئے' چلے نواب صاحب کی
طرف مڑے اور کہنے لگے ' میاں **نیر**! تم کس وقت
آبیٹھے - بھئی ' اس میرزا **تفتہ** نے میرا ناک میں دم
کردیا ہے - ظالم کی طبیعت کی روانی کسی طرح کم
نہیں ہوتی - ہر خط میں آٹھہ ' دس غزلیں اصلاح
کے لئے بھیج دیتے ہیں اصلاح دیتے دیتے تھک جاتا
ہوں ' میری طرف دیکھکر کہا " آپ شاید مولوی
کریم الدین صاحب ہیں - " میں نے کہا " جی ہاں "
فرمانے لگے حضرت آپ کے تشریف لانے کی مجھے پہلے
ہی سے اطلاع مل گئی تھی - کل ہی میاں **عارف** آکر
مجھہ سے مشاعرے میں چلنے کا وعدہ لے گئے ہیں -
کہو میاں **نیر**! تم بھی چلوگے - ' نواب صاحب نے
کہا " جہاں آپ وہاں میں - آپ تشریف لے جائینگے
تو انشاء اللہ میں بھی ضرور ہمراہ ہونگا " میرزا صاحب

چغہ[1] میری آہٹ پاکر لکھتے لکھتے آنکھ اونچی کی -
میں نے آداب کیا - سلام کا جواب دیا اور آنکھوں
سے بیٹھنے کا اشارہ کیا - میں ایک طرف بیٹھ گیا
ابھی بیٹھا ہی تھا کہ نواب ضیاء الدین احمد خاں
آگئے - یہ امین الدین خاں صاحب نواب لوہارو کے
بھائی ہیں - ریختے میں 'رخشاں' اور فارسی میں
نیر تخلص کرتے ہیں کوئی ۴۰ سال کی عمر ہے -
انشا پردازی' جغرافیہ' تاریخ' علم انساب' اسماے
رجال' تحقیق لغات اور واقفیت عامہ میں اپنا
جواب نہیں رکھتے - میرزا نوشہ کے خلیفہ ہیں - چھوٹا
قد' بہت گورا رنگ' نازک نازک نقشہ غلافی
آنکھیں' چگی داڑھی' چھریرا بدن' غرض نہایت
خوبصورت آدمی ہیں - ایک برکا سفید پاجامہ اور
سفید ہی انگرکھا زیب بدن تھا - قالب چڑھی ہوئی
چوگوشیہ ٹوپی سر پر تھی - ایک بڑا رومال سمرسہ

---

(۱) قلعہ دہلی کے عجائب خانے میں میرزا غالب کی ایک تصویر ہے اس سے یہ لباس لیا گیا ہے -

دھنسی ہوئی سی ہے - دروازے کے اوپر ایک کمرہ ہے اور کمرے کے دونوں پہلوؤں میں دو کوٹھریاں - گرمی میں میرزا صاحب دوپہر کے وقت اسی ایک کوٹھری میں رہا کرتے تھے - دروازے سے گزر کر مختصر سا صحن ہے اور سامنے ہی دالان در دالان - جب میں پہنچا تو اندر کے دالان میں گاؤ تکئے سے لگے بیٹھے کچھ لکھ رہے تھے -

میرزا نوشہ کی عمر کوئی ۵۰ سال کی ہوگی - حسین اور خوش رو آدمی ہیں ' قد اونچا اور ہاڑ بہت چوڑا چکلا ' موٹا موٹا نقشہ اور سرخ و سفید رنگ ہے - لیکن اس میں کچھ زردی جھلکتی ہے - ایسے رنگ کو محاورے میں چمپئی کہا جاتا ہے آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے ہیں ' داڑھی بھری ہوئی ہے ' مگر گھنی نہیں ہے - سر منڈا ہوا اس پر سیاہ پوستین کی ٹوپی ہے جو کلاہ پاپاخ سے ملتی جلتی ہے - ایک برکا سفید پاجامہ سفید ململ کا انگرکھا ' اس پر ہلکے زرد زمین کی جامہ دار کا

بھي بیٹھے بیٹھے اشقلے[1] چھوڑا کرتے ھیں" وہ اپنی کہہ گئے میں تو اُٹھہ سلام کر چلا آیا۔

دوسرا حملہ اسد اللہ خان' غالب پر تھا۔ چاندني چوک سے ھوتا ھوا بلي ماروں میں آیا۔ حکیم محمود خاں صاحب کے مکان کے سامنے سے قاسم جان کي گلي کٹتي ھے بائیں طرف پہلا ھي مکان اُن کا تھا - یہ مکان مسجد کے پیچھے ھے اس کے دو دروازے ھیں ایک مردانہ دوسرا زنانہ۔ محلسرا کا ایک راستہ مردانے مکان میں سے بھي ھے - باھر کے دروازے کي دھلیز ذرا

---

(۱) اُن دنوں دھلي میں لوگوں نے یہ اُڑا رکھا تھا کہ میرزا نوشہ (غالب) میرزا عبد اللہ بیگ کے بیٹے نہیں ھیں بلکہ اُنھوں نے ان کو پال لیا ھے اور یہ در اصل کسي کشمیري کي اولاد ھیں حافظ ویران نے اسي کي طرف اشارہ کیا ھے - خدا محفوظ رکھے دھلي والوں سے جو باھر سے آیا اُس کے حسب نسب میں اُنھوں نے کیڑے ڈالے۔

(۲) اُستاد ذوق کو شھر بھر نائي کہتا ھے - یہ دوسري بات ھے کہ آزاد مرحوم نے اُن کے ھاتھہ میں اُسترے کے بجائے تلوار دے کر اُن کو سپاھي زادہ بنا دیا ھے

(۱) معلوم نہیں کہ یہ کس زبان کا لفظ ھے۔ مگر دھلي میں عام طور پر "شگوفے" کے معنی میں استعمال ھوتا ھے

تھا کہ اس مشاعرے میں ہم میرزا فتح الملک بہادر
کو اپنی طرف سے بھیجیں گے اور اپنی غزل بھی
بھیجکر مشاعرے کی عزت بڑھائیں گے اور یہ بھی
ارشاد ہوا تھا کہ اُستاد ذوق سے بھی کہدیں گے وہ
بھی مشاعرے میں ضرور آئیں گے''۔ یہ سن کر حافظ
ویران تو ٹھنڈے پڑگئے۔ اُستاد نے فرمایا ''ہاں
بھئی مجھے یاد آگیا۔ کل شام کو حضرت پیر و مرشد
نے مجھہ سے بھی فرمایا تھا اور یہ بھی ارشاد ہوا
تھا کہ تم بھی ضرور جائیو۔ میاں میں انشاء اللہ
تعالی ضرور آؤں گا۔ مگر یہ تو بتاؤ ''طرح کیا رکھی
ہے'' میں نے واقعہ عرض کیا اور کہا کہ ''حضرت
ظل سبحانی نے ''طرح'' کا جھگڑا ہی نکال دیا۔
جو شخص جس بحر اور جس ردیف' قافیہ میں چاہے
آکر غزل پڑھے''۔ اُستاد تو ''بہت خوب بہت خوب''۔
کہتے رہے مگر حافظ ویران کی تیوری کے بل نہیں گئے'
برابر بڑبڑاتے ہی رہے کہ ''اللہ خیر کرے' دیکھئے
اس مشاعرے کا کیا حشر ہوتا ہے۔ حضرت پیر و مرشد

تم دنیا بھر سے لڑائي مول لیتے ھو'' - حافظ ویران کہنے لگے ''اُستاد جب وہ آپ کو بُرا بھلا کہیں تو ھم کیوں چپ بیٹھنے لگے - وہ ایک کہیں گے تو ھم سو (۱۰۰) سنائیں گے اور تو اور میاں آشفتہ کو دن لگے ھیں، کل ھی کي بات ھے آپ کو ناوڑا کہہ رھے تھے، مگر میں نے بھي ایسي خبر لي کہ تمام عمر یاد کریں گے اُن کي سات پشت کو تور ڈالا'' - اُستاد ھنس کر فرمانے لگے ''نا بھئی نا، تم میري وجہہ سے کیوں بلا میں پڑتے ھو - مجھے جس کا جو جي چاھے سو کہے میں نے تو ان سب کا جواب ایک رباعي میں دےدیا ھے -

تو بھلا ھے تو بُرا ھو نہیں سکتا اے ذوق
ھے بُرا وہ ھي کہ جو تجھکو بُرا جانتا ھے
اور جو خود تو ھي بُرا ھے تو وہ سچ کہتا ھے
کیوں بُرا کہنے سے اُس کے تو بُرا مانتا ھے

میں نے عرض کي کہ ''میں کل بارگاہ سلطاني میں حاضر ھوا تھا، حضرت ظل اللہ نے ارشاد فرمایا

ململ کي ٹوپي تھی - میرے پاؤں کي آھٹ سنتے ھي حافظ **ویران** نے چونک کر کہا ''کون ھے'' میں نے کہا **کریم الدین**، **اُستاد ذوق** کي خدمت میں حاضر ھوا ھوں'' **اُستاد** نے اپنا نام سن کر کہا ''آئیے آئیے اندر تشریف لایئے'' میں نے آداب عرض کیا - انھوں نے فرمایا - ''بیٹھو' بھی بیٹھو'' - میں حافظ **ویران** کے پاس چار پائي پر بیٹھہ گیا - کہا ''فرمایئے کیسے تشریف لانا ھوا'' - میں نے عرض کي کہ ''میرا ارادہ قاضي کے حوض پر ایک مشاعرہ شروع کرنے کا ھے - ۱۴ رجب تاریخ مقرر ھوئي ھے اگر حضور بھي از راہ بندہ نوازي قدم رنجہ فرمائیں تو بعید از کرم نہ ھوگا'' - میرا اتنا کہنا تھا کہ حافظ **ویران** تو چراغ پا ھو گئے کہنے لگے جایئے جایئے - کہاں کا مشاعرہ نکالا ھے - **اُستاد** کو فرصت نہیں ھے اُن میرزا لے پالک کے پاس کیوں نہیں جاتے جو خواہ مخواہ ان کو آکر دق کرتے'' - **اُستاد** نے کہا - ''بھی حافظ **ویران**! تمھاري زبان نہیں رکتي - بیٹے بٹھائے

کابلي دروازے کے پاس هي ان کا مکان هے ' مکان بہت چھوٹا هے ' چھوٹي سي ڈیوڑهي هے اس میں ایک طرف جائے ضرور هے - اندر صحن اتنا چھوٹا هے که دو پلنگ بچھنے کے بعد راسته چلنے کے لئے مشکل سے جگھه رهتي هے - سامنے چھوٹا سا دالان هے اور اس کے اوپر ایک کمره - صحن میں سے زمانا نے مکان میں راسته جاتا هے - جب میں پہنچا تو اُستاد صحن میں بان کي کھري چار پائي پر بیٹھے حقه پي رهے تھے - دوسري چار پائي پر ان کے چاهتے شاگرد **حافظ غلام رسول ' ویران** بیٹھے - یه اندھے هیں اور ان هي سے هوشیار رهنے کے لئے حضرت **جهاں پناه** نے ارشاد فرمایا تھا - **اُستاد ذوق** قد و قامت میں متوسط اندام هیں ' رنگ اچھا سانولا هے چھرے پر چیچک کے بہت داغ هیں ' آنکھیں بڑي بڑي اور روشن اور نگاهیں تیز هیں چھرے کا نقشه کھڑا کھڑا هے - اِس وقت سفید تنگ پاجامه ' سفید کرته اور سفید هي انگرکھا پہنے هوئے تھے - سر پر گول چند وے کي

جھگڑے میں نہ پڑو، خدا یہ مشکل بھی آسان کر دیگا - جب میں نے اس کام میں ھاتھہ ڈالا ھے تو میں جانوں اور میرا کام جانے - تم بیٹھے تماشا دیکھو- مگر ھاں مکان کل تک خالی کر دینا - نو ھی دن تو رہ گئے ھیں، رات کم اور سوانگ بہت ھے'' اب جاؤ خدا حافظ - تم تھک بھی گئے ھو، ذرا آرام لیلو اور کل صبح ھی سے ادھر مکان خالی کرنے کی فکر کرو، ادھر ان تینوں استادوں کے مکان کا چکر لگاؤ - مکان خالی ھو جائے تو فوراً مجھے اطلاع دینا اور خود میرے ھاں چلے آنا - اس میں شرم کی کونسی بات ھے، آخر میری ھی وجہ سے تو تم اپنا مکان چھوڑ رھے ھو'' وھاں سے نکل کر میں اپنے گھر آیا مطبع کو بند کرتے اور سامان کو سمیٹتے شام ھو گئی - صبح اٹھہ کر اپنے پہننے اوڑھنے کا سامان تو نواب زین العابدین خاں کے مکان پر روانہ کیا اور خود کابلی دروازے کی طرف چلا کہ پہلے اُستاد ذوق ھی سے بسم اللہ کروں -

میں خالی کر کے بالکل میرے حوالے کردو، مجھے
وہاں نشست کا انتظام کرنا ہوگا"۔ میں نے کہا
"اور میں کہاں جاؤں" فرمانے لگے "میرے مکان
میں آٹھہ نو روز کے لئے آجاؤ تم کو تکلیف تو ہوگی
مگر کیا کیا جائے - جب قلعہ کے لوگوں کو بُلا رہے
ہیں تو ان ہی کے رتبے کے موافق مکان کو بھی درست
کرنا ہوگا - دیکھئے خرچ کیا پڑتا ہے" میں نے کہا
"مشاعرے میں خرچ ہی ایسا کونسا ہوتا ہے، زیادہ
سے زیادہ سو سواسو روپئے اُٹھہ جائیں گے" یہ سن
کر نواب صاحب مسکرائے اور کہا "کریم الدین تم کیا
جانو کہ ایسے مشاعروں میں کیا خرچ ہو جاتا ہے
ہزار دو ہزار میں بھی اگر پوتھہ پورا گیا تو سمجھو
کہ سستے چھوٹے" یہ سن کر تو میرے ہاتھوں کے
طوطے اُڑ گئے - میں نے کہا "نواب صاحب اگر یہ
صورت ہے تو میرا ایسے مشاعرے کو دور ہی سے سلام ہے۔
مطبع تو مطبع اگر اپنے آپ کو بھی بیچ ڈالوں تو
اتنی رقم نہ اٹھے" - فرمانے لگے "بھئی تم اس خرچ کے

ہو رہے تھے - اِن ہی کی یہ کار گزاری ہے ورنہ بھلا یہ معاملہ اس طرح تھوڑی طے ہوتا - مگر چلو تمہارا کام بن گیا - میاں عارف سے جا کر کہدو - وہ میرے ہی ہاں بیٹھے انتظار کر رہے ہونگے -

حکیم صاحب کے مکان پر پہنچا تو دیکھا کہ واقعی نواب صاحب میرے انتظار میں بیٹھے ہیں - ان سے حالات بیان کئے کہنے لگے کہ 'چلو یہ مشکل تو آسان ہوئی' اب تم یہ کرو کہ کل کم سے کم اُستاد ذوق میرزا نوشہ اور حکیم مومن خاں کے مکان کا گشت لگا ڈالو ؛ مگر دیکھنا ذرا پھونک پھونک کر قدم رکھنا' یہ تینوں بڑے دماغ دار آدمی ہیں' اگر ذرا بھی تم سے بات چیت میں لغزش ہوئی تو یاد رکھو کہ بنا بنایا کھیل بگڑ جائیگا - جب دیکھو کہ ان میں سے کوئی ہاتھوں سے نکلا ہی جاتا ہے تو میرا نام لے دینا - اُمید ہے کہ میرا نام سنکر شاید راضی ہوجائیں - دوسری بات یہ ہے کہ مبارک النساء بیگم کی حویلی جس میں تمہارا مطبع ہے دو روز

موسم بھي ٹھنڈا ھوجائیگا - اچھا اب خدا حافظ ' میں نے عمر دولت و اقبال کو دعا دي اور خوش خوش اُلٹے قدموں واپس ھوا - میرزا فخرو بیچ میں کچھہ نہیں بولے مگر میں سمجھتا تھا کہ یہ سب کیا دھرا انہیں کا ھے ' ورنہ کہاں میں اور کہاں یہ خلوت شاھي - سچ ھے " بگتري بن جاتي ھے جب فضل خدا ھوتا ھے " یہاں میں اتنا ضرور کہونگا کہ میرے لئے حضوري اتنا مشکل کام نہ تھي جتنا یہ اُلٹے پاؤں واپس ھونا - زمین پاؤں کو نہیں لگتي تھي ' اس لئے دو چار قدم ھي چلا ھونگا کہ دیوار سے ٹکر کھائی - اس ٹکر سے نہیں سنبھلا تھا کہ نہر میں پاؤں جا پڑا - خیر بہ ھزار دقت باھر نکل ھي آیا - ادھر میں نکلا اُدھر چوبدار ساتھہ ھوا اُس کو انعام دے دلا کر ٹالا - حکیم صاحب کے پاس آیا - وہ میرے انتظار میں بیٹھے تھے - اُن سے تمام واقعہ بیان کیا - فرمانے لگے مولوي صاحب بات یہ ھے کہ میرزا فخرو بہت دنوں سے مشاعرے کے لئے بےچین

پہلے ان لوگوں سے مل لو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وقت
پر انکار کر بیٹھیں ۔ میں اور میرزا **شبو** تو آ نہیں
سکتے ہیں ہاں میرزا **فخرو** کو اپني جگهہ بهیج دونگا
اور انشاء اللہ اپني غزل بهي بهیجوں گا ۔ ہاں یہ تو
بتاؤ کہ تم نے **طرح** کیا رکھی ہے ''طرح'' هي
تو بڑے جهگڑے کي چیز ہے ۔ یہ ذرا سوچ سمجهہ
کر دینا ' یہ باتیں ہو هي رهي تهیں کہ باوز سے
آواز آئي 'اے ہے' یہ انا بچہ کیا **بےطرح** سلا گئي
ہے ۔' یہ سنتے هي بادشاہ سلامت نے یہ فرمایا
'لو بهائي یہ خود بخود فال گوش مل گئي ۔' تم اس
مشاعرے میں کوئي ''طرح'' هي نہ دو۔ جس شخص
کا جس بحر جس ردیف قافیہ میں غزل پڑھنے کو دل
چاہے پڑھے ''نہ لینا ایک نہ دینا دو'' میں نے
عرض کي تاریخ ۔ فرمایا ''**۱۴ رجب** مقرر کردو دن
بهي اچها ہے' چاندني رات بهي ہوگي' آج پانچ
تاریخ ہے نو دن باقي ہیں' اتنے دنوں میں بہت
کچهہ انتظام ہو سکتا ہے؛ **۲۰ جولائي** پڑے گي ۔

تھیں، کہیں خدا نخواستہ اگر ردیف "کوڑیاں"
ہوتی تو خدا معلوم کتنوں کے سر پھوٹ جاتے - تم مشاعرہ
تو کر رہے ہو مگر ان ہاتھیوں کی ٹکر کیسے سنبھالوگے
اُستاد ذوق تو بچارے بے زبان آدمی ہیں، مگر
خدا بچائے حافظ ویران سے وہ ضرور لڑمریں گے اور تم
جانتے ہو اندھے کی داد نہ فریاد اندھا مار بیٹھیگا،
کسی نے اگر مشاعرے میں اُستاد پر ذرا چوٹ کردی
تو ان نابینا صاحب کا سنبھالنا مشکل ہوجائے گا -
میاں تم سے یہ کام سنبھلنا نظر نہیں آتا ' میں نے
عرض کی کہ ' قبلۂ عالم میری کیا ہمت ہے جو
میں اتنے بڑے کام میں ہاتھ ڈال سکوں ' مشاعرے
کا سارا انتظام نواب زین العابدین خاں عارف نے
اپنے ذمہ لیا ہے - ' فرمایا ' تو مجھے اطمینان ہے - یہ
لڑکا بڑا ہوشیار اور ذہین ہے ' میرزا نوشہ اور مومن
خاں کو وہ سنبھال لیگا ' رہے اُستاد ذوق ان سے میں
کہہ دونگا - خدا نے چاہا تو اس طرح مشاعرہ چل
جائیگا - مگر میں یہ کہے دیتا ہوں کہ مشاعرے سے

میرزا فخرو کر رہے تھے میرا خود جي چاهتا هے که پہلے
کي طرح دیوان عام میں مشاعره کروں مگر کیا کروں
زمانے کي هوا ایسي بگڑ گئي هے که مناسب معلوم
نهیں هوتا - یه صحیح هے که "بود هم پیشه با هم پیشه
دشمن" لیکن خدا محفوظ رکھے ایسي دشمني بھي کس
کام کي که دو گھڑي مل جل کر نه بیٹھنے دے -
دیوان عام میں مشاعره هوتا تھا' وه کچھ دنوں ٹھیک
چلا' پھر میں نے دیکھا که بے لطفي بڑھ رهي هے -
اس لئے بند کر دیا - منشي فیض پارسا نے اجمیري
دروازے کے باهر غازي الدین خان کے مدرسے میں
مشاعره شروع کیا' وه تیلیوں کي طرح بکھر گیا -
وه تو کہو غنیمت هوا که ردیف میں "تیلیاں" هي

کیا جا سکتا هے که وه اپني بیوي کو بھي "اماں" کہتا تھا".
معلوم هوتا هے که یه صاحب انگریزي نهیں جانتے تھے' ورنه ان کو
پڑھ کر تعجب هوتا که جس قوم کو وه تهذیب کا پتلا اور اخلاق کا
نمونه ظاهر کرتے هیں ان کے هاں بھي خاوند اپني بیوي کو "اماں"
هي کہتا هے اور بیوي خاوند کو کبھي "ابا" کبھي "دادا" پکارتي
هے - (میرے خیال میں یه "ارے میاں" کا اختصار هے - چنانچه
اب بھي بے تکلف بول چال میں میاں کو ماں هي که جاتے هیں) -

رھے میرزا فخرو۔ تو وہ عین میں باپ کي تصویر تھے ۳۲ ' ۳۳ برس کي عمر تھي ' فرق تھا تو بس یہي کہ وہ بڈھے تھے ' یہ جوان - ان کا رنگ بڑھاپے کي وجہ سے ذرا کلونس لے آیا تھا - ان کھلا گھوان رنگ تھا - ان کي ڈاڑھي سفید تھي ' ان کي سیاہ ورنہ یہي معلوم ھوتا تھا کہ ایک بادشاہ لیٹے ھیں اور ایک بیٹھے ھیں - دونوں نے مجھہ پر ایک گھري نظر ڈالي اور بادشاہ سلامت نے فرمایا - '' اماں ! تمھارا ھي نام کریم الدین ھے ' تم کھیں باھر کے معلوم ھوتے ھو - ''میں نے کہا کہ خانہ زاد پاني پت کا رھنے والا ھے بچپن ھي سے حضرت ظل اللہ کے سایۂ عاطفت میں آرھا ھے '' - فرمایا۔ '' اماں(۱) ! ابھي تمھارا ھي تذکرہ

---

(۱) شاھان دھلي ھمیشہ مرد و عورت دونوں کو " اماں " سے خطاب کیا کرتے تھے چنانچہ اس طرز کلام کي جھلک اب تک حیدر آباد میں پائي جاتي ھے - مجھے بڑا تعجب ھے کہ ایک مورخ نے اس طریقۂ مخاطبت کي بنا پر قلعۂ معلی کي تہذیب واخلاق پر حملہ کیا ھے اور لکھا ھے کہ " بادشاہ کے اخلاق کي پستي کا اندازہ اس سے

باقي صفحہ آیندہ میں

دیکھا - حضرت پیر مرشد ایک چاندي کي پلنگڑي پر لیٹے تھے ' پائنتي میرزا **فخرو** بیٹھے پاؤں دبا رھے تھے - دھلي میں وہ کون ھے جس نے حضرت **ظل اللہ** کو نہیں دیکھا میانہ قد ' بہت نحیف جسم ' کسي قدر لمبا چھرہ بڑي بڑي روشن آنکھیں ' آنکھوں کے نیچے کي ھڈیاں بہت ابھري ھوئي لمبي گردن ' چوکا ذرا اونچا ' پتلي ستواں ناک ' بڑا دھانہ ' گھري سانولي رنگت ' سر منڈا ھوا ' چھدري ڈاڑھي ' کلوں پر بہت کم ' ٹھوڑي پر ذرا زیادہ ' لبیں کتري ھوئي ۷۰ برس سے اونچي عمر تھي ' بال سفید بھق ھو گئے تھے ' لیکن پھر بھي ڈاڑھي میں اِکا دکا سیاہ بال تھا - چھرہ پر جھرّیاں تھیں لیکن با وجود اس پیرانہ سالي اور نقاھت کے آواز میں وھي کرارپن تھا - سبز کمخواب کا ایک برکا پاجامہ اور سفید ڈھاکے کي ململ کا کرتہ زیب بدن تھا - سامنے ایک چوکي پر جامہ وار کي خفتان اور کارچوبي چو گوشیہ ٹوپي رکھي ھوئي تھي - اب

ان میں فوارے چلتے ہیں - حمام کیا ایک بہشت کا ٹکڑا ہے - چوبدار جو گیا تو آنے کا نام نہیں لیا - دھوپ میں کھڑے کھڑے فشار ہو گیا - پسینہ میں تربتر گردن نیچی کئے کھڑا ہوں اور ناک سے پسینے کی بوندیں ٹپک رہی ہیں - ارادہ ہوا کہ واپس چلا جاؤں - مگر اول تو طلبی کے بعد بھاگ جانا ہی نازیبا ' دوسرے راستہ کس کو معلوم - خدا خدا کر کے یہ مشکل آسان ہوئی اور چوبدار نے آکر کہا کہ "چلئے" اس ایک لفظ نے خود بخود پاؤں میں لغزش اور دل میں کپکپی پیدا کردی - خیر کسی طرح اُلٹے سیدھے پاؤں ڈالتا حمام مبارک میں داخل ہو گیا - چوبدار نے آوازدی "ادب سے' نگاہ رو برو' حضرت جہاں پناہ سلامت' آداب باجالاؤ" میں نواب زین العابدین خاں صاحب سے یہ سبق پورا اور اچھی طرح پڑھکر آیا تھا' دھرا ہوکر سات تسلیمات بجا لایا اور نذر گزرانی نذر دیتے وقت ذرا آنکھ اونچی ہوئی تو وہاں کا رنگ

پیچھے پیچھے روانہ ہوا - تمام راستے آیۃ الکرسي
پڑھتا رہا - آنکھہ اُٹھا کر یہ بھي نہ دیکھا کہ یہ
بندۂ خدا کدھر لئے جا رہا ہے - اندر سے قلعہ دیکھنے
کا مدت سے شوق تھا - اب جو موقع ملا تو کن آنکھوں
سے بھي دیکھنے کي ہمت نہ ہوئي چلتے چلتے آندھہ
آگئے - آخر خدا خدا کرکے چوبدار نے دیوان خاص
کي سیڑھیوں کے پاس لے جا کر کھڑا کردیا اور آپ
اندر اطلاع دینے چلا گیا - حضرت جہاں پناہ اس وقت
حمام میں رونق افروز تھے - جن صاحبوں نے دھلي کا
قلعہ نہیں دیکھا ہے وہ شاید نہ سمجھہ سکیں کہ
گرمیوں میں حمام میں بیٹھنے کے کیا معني اصل یہ
ہے کہ یہ حمام کیا ہے ایک عالي شان عمارت ہے -
اس کے دو درجے ہیں - ایک گرم دوسرا سرد - عمارت
کا جو حصہ موتي مسجد کي جانب ہے وہ گرم ہے اور
جو جمنا کے رخ پر ہے وہ سرد ہے - ریتي کے رخ خس
کے پردے ڈال کر خس خانہ بنا لیا جاتا ہے - اندر
نہر بہتي ہے - بیچ میں کئي بڑے بڑے حوض ہیں -

بیٹھک جس کو پہلے زمانے میں ''نشست'' کہا جاتا تھا دیوان عام سے ملی ہوئی تھی حکیم صاحب بیٹھے کچھ لکھ رہے تھے' مجھے دیکھکر بولے - اجی مولوی صاحب میں نے آپ کا کام کردیا ہے' صاحب عالم میرزا فتح الملک بہادر سے صبح ہی کو ملنا ہوگیا' وہ اس تجویز سے بڑے خوش ہوئے - فرماتے تھے' جہاں پناہ سے میں اجازت لئے لیتا ہوں مگر مشاعرے کا انتظام ایسا ہونا چاہئے کہ ہم لوگ بھی آسکیں خیر بیٹھئے - شاید ابھی آپ کی یاد ہو - میں ایک طرف بیٹھ گیا - بیٹھا ہی تھا کہ چوبدار نے آکر کہا ''وہ کریم الدین کون صاحب ہیں - ان کو حضور والا یاد فرماتے ہیں - یہ سنّنا تھا کہ میرے پسینے چھوٹ گئے - میں سمجھا تھا کہ حکیم صاحب ہی کے پاس جا کر معاملہ طے ہو جائیگا - یہ کیا خبر تھی کہ بارگاہ جہاں پناہی میں یاد ہوگئی اور یاد بھی ایسے وقت کہ میرا سانس بھی پیٹ میں پوری طرح سمایا ہوگا حکم حاکم مرگ مفاجات - اُٹھا اور چوبدار کے

بہادر سے ملا دیتا ہوں اِن کو آج کل مشاعرہ کی لو لگی ہوئی ہے - حضور سے بھی کئی مرتبہ عرض کرچکے ہیں مگر وہ ٹال گئے اگر ان صاحب نے ذرا بھی زور دیا تو مجھے یقین ہے کہ صاحب عالم کچھ سن کر ضرور اجازت حاصل کرلینگے اچھا تو مولوی صاحب کل آپ ایک بجے قلعۂ معلّٰی میں آجائے - میں چوبدار سے کہے جاتا ہوں' یہ اندر پہنچا دیگا' آگے آپ جانیں اور آپ کی قسمت' یہ کہہ کر حکیم صاحب نے خدا بخش کو آواز دی - وہ آیا تو اُس سے کہا کہ " کل یہ صاحب حویلی میں ایک بجے آئینگے' ان کو میری بیٹھک میں پہنچا دینا -" یہ کہہ کر وہ نواب صاحب کی طرف متوجہ ہو گئے اور میں آداب کرکے واپس چلا آیا -

دوسرے روز ایک بجے کے قریب میں مولویانہ ٹھاٹھ سے جبہ پہن' شملہ باندھ قلعہ معلّٰی پہنچا لاہوری دروازے کے باہر خدا بخش کھڑے ہوئے تھے وہ مجھکو حکیم صاحب کی بیٹھک میں لے گئے - یہ

دل تو میرا بھي چاھتا ھے کہ مرتے مرتے ایک ایسا مشاعرہ دیکھ لوں جس میں یہاں کے سب کاملین فن جمع ھو جائیں مگر مجھے یہ بیل منڈھے چڑھتي معلوم نہیں ھوتي - اچھا تم بھي کوشش کرو' میں بھي کرتا ھوں' ممکن ھے کہ کوئي صورت نکل آئے ھاں تھیرو حکیم صاحب کو آنے دو' ایک تجویز ذھن میں آئي ھے' اگر چل گئي تو میري بھي آخري خواھش پوري ھو جائیگي اور تمھارا بھي کام نکل جائیگا" - ھم یہ باتیں کر ھي رھے تھے کہ حکیم صاحب نکل آئے - گورے چٹے آدمی ھیں' سفید ھاں آپ کے دوست کو صاحب عالم میرزا فتح الملک[1]

---

(۱) ان کا نام میرزا فخر الدین خطاب میرزا فتح الملک شاہ بہادر عرف میرزا فخرو اور تخلص رمز تھا - بہادر شاہ ثاني کے منجھلے بیٹے تھے - میرزا محمد دارا بخت عرف میرزا شبو ولیعہد سلطنت کے انتقال کے بعد سنہ ۱۸۴۸ ع میں ولیعہد ھوئے - مگر غدر سے پہلے ھي ۱ جولائي سنہ ۱۸۵۲ ع میں ۴۰ سال کي عمر میں انتقال کیا ان کے انتقال کے بعد میرزا جوان بخت کي ولیعہد کے جھگڑے ھوے -

قلعۂ دھلي کو لال حویلي یا صرف حویلي بھي کہا جاتا ھے حافظ عبد الرحمن خاں احسان کا شعر ھے کہ -

مري تنخواہ لوٹی ان لٹیروں نے حویلي میں
بہادر شاہ غازي کي دوھائي ھے دوھائي ھے

ذریعے سے اطلاع کرائي - آنھوں نے اندر بلا لیا - بڑا عالي شان مکان ھے۔ صحن میں نھر ھے، سامنے بڑا چبوترہ ھے اور چبوترے پر بڑے بڑے دالان در دالان، مکان خوب آراستہ و پیراستہ ھے، ھر چیز سے امارت ٹپکتي ھے سامنے گاؤ تکیہ سے لگے نواب صاحب بیٹھے تھے - میں نے تو ان کو پھچانا بھي نھیں سوکھہ کر کانٹا ھو گئے تھے اور چھرے پر جھریاں پڑ گئي تھیں - میں نے سلام کرکے کیفیت پوچھي - کھنے لگے "مولوی صاحب کیا کھوں کچھہ دل بیٹھا جاتا ھے بظاھر کچھہ مرض بھي معلوم نھیں ھوتا - علاج کرا رھا ھوں مگر بے نتیجہ، بھئی اب ھمارے چل چلاؤ کا زمانہ ھے کچھہ دنوں دنیا کي ھوا کھا رھے ھیں مگر یہ تو کھئے آج آپ کدھر نکل آئے" میں نے واقعات کا اظھار کرکے ضرورت بیان کي - تھوڑي دیر تک سوچتے رھے - پھر ایک آہ بھر کر کھا - "میاں کریم الدین تم کو بات تو اچھي سوجھي ھے، مگر بھئی اس کا نباھنا مشکل ھے - تمھیں خبر نھیں دھلي کے بڑے مشاعروں نے کیا کچھہ دلوں میں فرق ڈال دیئے ھیں -

عارف پر نظر پڑي ' اُن سے دو چار دفعہ ملنا ہوا تھا - بڑے خوش اخلاق آدمي ہیں ' لال کنوئیں کے پاس ایک حویلي ہے اُس کو مدرسہ بھي کہتے ہیں ' وہاں رہتے ہیں - کوئي ۳۰ سال کي عمر ہے - گوري رنگت ' اونچا قد اور نہایت جامہ زیب آدمي ہیں - البتہ ڈاڑھي بھر کر نہیں نکلي ہے ' تھوڑي ہي پر کچھہ گنتي کے بال ہیں - غالب کے بھانجے بھي ہیں اور شاگرد بھي - کچھہ عرصے تک شاہ نصیر سے بھي اصلاح لي ہے ' بہر حال اُن کي محبت ' اُن کي شرافت اور سب سے زیادہ اُن کے رسوخ نے مجھے اُن کي خدمت میں حاضر ہونے اور اس بارے میں اُن کي امداد حاصل کرنے پر مجبور کیا - ایک روز صبح ہي صبح گھر سے نکل اُن کے مکان پر پہنچا - معلوم ہوا کہ وہ حکیم احسن اللہ خاں صاحب وزیر اعظم کے مکان پر تشریف لے گئے ہیں - حکیم صاحب کا مکان سرکي والوں میں تھا - واپسي میں تھا - واپسي میں دروازے پر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ نواب زین العابدین خاں اندر ہیں - چوبدار کے

سب اسي رنگ میں رنگے ہوئے تھے - خیال آیا کہ ایک مشاعرہ قائم کرکے شعراء کے حالات اور ان کا کلام طبع کروں، ممکن ہے کہ اس طرح مطبع چل جائے مجھے شاعري سے نہ کبھي لگاؤ تھا اور نہ اب ہے، بلکہ شعر کہنا میں برا جانتا ہوں، کیونکہ اہل علم کا یہ پیشہ نہیں ہے - وہ لوگ جو معیشت سے فارغ البال ہیں اپنا دل بہلانے اور حسرت نکالنے کے لئے شاعري کرتے ہیں -

میں خود عالم ہوں، میرے باپ دادا عالم تھے، بھلا میں تو اس قسم کي فضولیات کي طرف توجہ بھي نہ کرتا، مگر کیا کروں، ضرورت سب خیالات پر حاوي ہو گئی اور مجھے قیام مشاعرہ پر مجبور کیا - لیکن بڑي مصیبت یہ ہے کہ ایک تو اس شہر میں غریب اور خاص کر پردیسي غریب کو منھہ نہیں لگاتے، دوسرے یہ کہ میري جان پہچان تھي تو مولویوں سے وہ بھلا اس معاملے میں میرا کیا ساتھہ دے سکتے تھے - سوچتے سوچتے نواب زین العابدین خاں،

چرچا تھا - ہر فن کے کاملوں سے دھلي بھري پڑي تھي ' ہر سمت علم کے چشمے جاري تھے - ''ملا کي درز مسجد'' میں بھي پاني پت چھوڑ کر دھلی آ گیا کاپي نویسي سے گزارا کرتا ' محنت مزدوري کے بعد ذوق علم ہر حلقۂ درس میں مجھے لے جاتا - اسي زمانے میں دھلي کالج کي تنظیم جدید ھوئي تھي - طالب علموں کي تلاش تھي - میں بھي ۱۸ سال کي عمر میں وہاں شامل ھو گیا - ۱۶ روپیہ وظیفہ بھي مقرر ھوا اور اس طرح میں نے علم کي پیاس بڑي حد تک بجھائي لیکن یہ وہ زمانہ نہیں تھا کہ علم کو علم کے لئے حاصل کیا جاتا ' اب اس کے ساتھہ گزارے کي ایک بڑي شق لگ گئي تھي - اس لئے چند دوستوں کے ساتھہ مل کر ایک مطبع کھولا قاضي کے حوض پر مبارک النساء بیگم کي حویلي کرایہ پر لي - عربي کي مشھور مشھور کتابوں کے ترجمے چھاپے لیکن مطبع جیسا چلنا چاھئے تھا نہ چلا - یہ اُردو شاعري کے شباب کا زمانہ تھا بادشاہ سے لےکر فقیر تک

میرا نام کریم الدین ہے - میں پانی پت کا رہنے والا ہوں یہ قصبہ دہلی سے ۴۰ کوس پر بجانب شمال مغرب واقع ہے اور اپنی لڑائیوں کی وجہ سے تاریخ میں مشہور ہے - ہم اچھے کھاتے پیتے لوگ تھے ؛ مولویوں کا خاندان تھا - لیکن زمانے کی گردش نے ایسا پیسا کہ کوڑی کوڑی کو محتاج ہو گئے ؛ جائداد ضبط ہو گئی ' میرے دادا صاحب قبلہ ایک مسجد میں جا بیٹھے اور اللہ اللہ کرکے گزار دی - جب ضبط شدہ جائدادوں کے متعلق دریافت شروع ہوئی تو توکل نے ان کا دامن پکڑ لیا ' اپنی جگہہ سے نہ ہلے - نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیشہ کے لئے روٹیوں کا سہارا کھو بیٹھے - میرے والد سراج الدین مرحوم بمصداق "عصمت بی‌بی از بے چادری" متوکل بنے رہے اور مسجد میں ایسے بیٹھے کہ مر آٹھے - میں سنہ ۱۲۳۷ ھ میں عین عید الفطر کے دن پیدا ہوا - میری تعلیم ان ہی دونوں بزرگوں کے ہاتھوں ہوئی - لیکن بے چین طبعیت اور خاندانی جھگڑوں نے آخر پانی پت چھڑادیا - اس زمانے میں دہلی میں علم کا بڑا

تھکانے لگی، اگر نہیں ہوئی تو کم سے کم یہی سمجھکر میری داد دی جائے کہ ''میرزا صاحب نے بات تو اچھی پیدا کی تھی مگر نباہ نہ سکے جو اُن سے نہیں ہوا وہ اب ہم کر دکھاتے ہیں'' ممکن ہے کہ اس طرح کوئی قلم کا دھنی ان ''خفتگان خاک'' کا کوئی ایسا مرقع تیار کردے جو بزم ادب اُردو میں سجانیکے قابل ہو۔

لیجئے ''میں'' اب ''**مولوی کریم الدین صاحب**'' کی جون میں حاضر خدمت ہوتا ہوں، لیکن یہ ضرور عرض کئے دیتا ہوں کہ جب میں اپنی تمام معذب ''**کریم الدین صاحب**'' کی نذر کررہا ہوں تو جو کچھہ بُرا بھلا آپ کو اس مضمون کے متعلق کہنا ہے وہ مجھے نہ کہئے مولوی صاحب کو کہئے اور خوب دل بھر کر کہئے۔ میں خوش اور میرا خدا خوش۔ والسلام۔

۲ — تدبیر

هوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا\
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

داري نهيں ليتا - بحيثيت مورخ سنه ۱۲۶۱ ھ كے واقعات ميں خود اس طرح لكهه سكتا تها گويا سب ميرے ديد هيں اور

همچو سبزه بارها روئيده ام

هفتصد هفتاد قالب ديده ام

پر نظر ركهتے هوئے اس زمانے كا بهي ميرا " اَلَمْ نَشْرَحْ " بن سكتا تها - مگر ميرے دل نے گوارا نهيں گيا كه كريم الدين مرحوم كي كاميابي كا سهرا اپنے سر پر باندهوں اور ايسے شخص كو دوده كي مكهي كي طرح نكال كر پهينك دوں - جس نے اس مشاعرے ميں بهت بڑا حصه ليا تها ؛ جس كے مكان پر يه مشاعره هوا تها اور جو اس مشاعره كي روح رواں تها - يه ضرور هے كه ان كي يه مجلس محدود تهي اور ميں نے اس كو اتني وسعت دي هے كه اُس زمانے كے تقريباً سب بڑے بڑے شعرا كو اس ميں لا بيٹهايا هے - اب اس ميں مجهے كاميابي هوئي يا نهيں اس كا اندازه قارئينِ كرام فرما سكتے هيں - اگر هوئي هے تو زهے نصيب ، ميري محنت

دوسرے کے ہاتھہ کے بنے ہوئے ہیں ؛ بعض ایسے نقش و نگار ملیں گے جو فوٹو یا قلمي تصاویر دیکھکر الفاظ میں اتارے گئے ہیں ؛ اکثر و بیشتر ایسي صورتیں ہوں گي جو خود میں نے بڑے بوڑھوں سے پوچھکر بنائي ہیں - لیکن ہر صورت میں شہادت تائیدي کے مقابلے میں شہادت تردیدي کو زیادہ وقعت دي ہے - یعني اگر کسي واقعے کے متعلق ایک بھي مخالف بات معلوم ہوئي تو اس واقعے کو قطعاً ترک کردیا -

اگر اتنے سارے حلیے ایک جگہ ہي جمع ہوجاتے تو یقیناً یہ مضمون فوج کے چہروں کا رجسٹر بن کر بے لطف ہوجاتا - لیکن اِدھر تو آزاد مرحوم کے "نیرنگ خیال" نے دل میں مشاعرہ کا خیال ڈالا ' ادھر کریم الدین مغفور کي کتاب "طبقات الشعرائے ہند" کے طبقۂ چہارم نے رجب سنہ ۱۲۶۱ ھ کے ایک مشاعرے کا پتہ دیا - اب کیا تھا دونوں کو ملاکر ایک مضمون پیدا کرلیا ' رہي رنگ آمیزي اس کي تکمیل میں خود کئے دیتا ہوں - البتہ اچھے برے کي ذمہ

کلام پڑھتے وقت اگر اس کي شکل و صورت ' حرکات و سکنات ' آواز کي کيفيت ' نشيب و برخاست کے طريقے ' طبيعت کا رنگ اور سب سے زيادہ يہ کہ اس کے لباس اور وضع قطع کا خيال دل ميں رهے تو اس کا کلام ايک خاص اثر پيدا کرديتا هے اور پڑهنے کا لطف دوبالا هوجاتا هے - ورنہ مصنف کے حالات سے واقف هوئے بغير اس کي کسي کتاب کا پڑه لينا گراموفون کے ريکارڈ سننے سے زيادہ موثر نهيں هوتا - يهي وجهہ هے کہ آج کل مهذب ممالک کے کسي مصنف کي کوئي کتاب شائع نهيں هوتي جس کے شروع ميں اس کے حالات درج نہ کئے جائيں اور وہ واقعات نہ دکھائے جائيں جنکي موجودگي ميں وہ تصنيف ضبط تحرير ميں آئي -

يهي خيالات تھے جنهوں نے مجھے ان چند اوراق کے لکھنے پر آمادہ کيا - اس البم ميں آپ ايسي بهت سي تصويريں ديکھيں گے جو ان کاملين فن نے اپنے هاتھہ سے خود کھينچي هيں ؛ بهت سے ايسے مرقعے پائيں گے جو

اور رامپور آباد ہوے۔ اکثر شرفا گھروں سے ایسے نکلے
کہ پھر ان کو دہلي کي صورت دیکھني نصیب نہ
ہوئي جو رہ گئے ہیں وہ چلنے چلانے کو تیار بیٹھے ہیں ؛
بہت سے اٹھگئے ، بہت سے اٹھتے جاتے ہیں ، اور ایک
زمانہ وہ آنے والا ہے کہ کوئي یہ بتانےوالا بھي نہ
رہے گا کہ مومن مرحوم کا مکان کہاں تھا ، جس طرح
سوائے میرے اب شاید کسي کو یہ بھي معلوم نہیں
کہ ان کي قبر کہاں ہے -

اِن حالات کو دیکھہ دیکھہ کر مجھے خیال آیا (اس
خیال کي محرک مومن مرحوم کي تصویر بھي ہوئي کہ
"اردو" کے لئے ان سے ایک ایسا تو چراغ روشن کرلوں
جس کي روشني میں آنے والي نسلیں زبان اردو کے
ان محسنوں کي شکلیں (خواہ وہ دھندلي ہي کیوں
نہ سہي) دیکھہ سکیں اور ان کا کلام پڑھتے وقت
کم سے کم ان کي صورتوں کا ایک موہوم سا نقشہ پڑھنے
والوں کي آنکھوں کے سامنے پھر جائے - جو لوگ علمي
مذاق رکھتے ہیں وہ جانتے اور سمجھتے ہیں کہ کسی کا

آخري دور کا نقشہ کھینچ دیا جائے۔ قاعدے کي بات ھے کہ مرنے سے پہلے بیمار سنبھالا لیتا ھے۔ اردو شاعري کے حق میں **بہادر شاہ ثاني** کا زمانہ بھي دھلي کا سنبھالا تھا۔ بادشاھت برائے نام تھی اور جو تنخواہ بادشاہ سلامت کو ملتي تھي اس میں قلعے کا خرچ بھي مشکل سے چلتا تھا۔ بر خلاف اس کے دکن اور اودہ میں دولت کي گنگا بہ رھي تھي "دریاے جمنا کي چمکیلي ریت" دھلي والوں کے لئے نظر فریب رھي اور "اجڑے دیار" میں شعرا ھي نہیں ھر فن کے کاملوں کا ایک ایسا مجمع ھوگیا جس کي نظیر ھندوستان تو ھندوستان دوسرے کسي ملک میں بھي ملني دشوار۔

زمانہ ایک رنگ پر نہیں رھتا۔ سنہ ۱۸۵۷ع سے قبل ھي ان کاملین فن میں سے بہت سے تو ملک عدم کو سدھارے، جو بچے کھچے رہ گئے تھے۔ ان کو غدر کے طوفان نے تتر بتر کردیا۔ جس کو جہاں کچھہ سہارا ملا، وھیں کا ھورھا۔ دھلي برباد ھوکر حیدرآباد

بخود پیدا ہوجاتے ہیں - اتفاق دیکھئے کہ پرانے قدیم کاغذات میں مجھکو حکیم مومن خاں 'مومن' دہلوی کی ایک قلمی تصویر کا ملنا تھا کہ یہ خیال پیدا ہوا کہ تو بھی محمد حسین 'آزاد' مرحوم کے '' نیرنگ خیال '' کی محفل شعراء ایطرح ایک مشاعرہ قائم کر' مگر ان لوگوں کے کلام پر تنقید کرنے کے بجائے صرف ان کی چلتی پھرتی تصویر ہی دیکھا خیال میں رفتہ رفتہ پختگی ہوئی اور اس پختگی خیال نے ایک مشاعرے کا خاکہ پیش نظر کردیا - لیکن یہ سمجھہ میں نہیں آتا تھا - کہ مختلف زمانوں کے شاعروں کو کس طرح ایک جگہ جمع کروں - اس عقدہ کو امیر اللہ 'تسلیم' مرحوم کے اس شعر نے حل کردیا -

جوانی سے زیادہ وقت پیری جوش ہوتا ہے
بھڑکتا ہے چراغ صبح جب خاموش ہوتا ہے

اِس شعر کا یاد آنا تھا کہ شعرائے دہلی کے آخری دور آنکھوں کے سامنے پھر گیا اور دل میں یہ بات جم گئی کہ بجائے تمام شعرائے اردو کے' دہلی کے

سنہ ۱۲۶۱ ھ میں دھلی کا ایک یادگار مشاعرہ

۱ ـ تمہید

نام نیک رفتگان ضائع مکن
تا بماند نام نیکت برقرار

بقول **غالب** مرحوم انسان " ایک محشر خیال " ھے لیکن خیال میں حشر بپا ھونے کے لئے کسی بیرونی تحریک کا ھونا لازمی ھے۔ دماغ خیال کا گنجینہ ھے، لیکن اس گنجینے کے کھلنے کے واسطے کسی ظاھری اسباب کی کنجی کی ضرورت ھے۔ مجھے بچپن سے شعرائے اردو کے حالات پڑھنے اور سننے کا شوق رھا ھے، مگر کبھی کوئی ایسی تحریک نہیں ھوئی جو ان کے حالات کو ایک جگہ جمع کرنے کا خیال پیدا کرتی اور یہ خیالات الفاظ کی شکل میں ظاھر ھوکر ایک خوش نما چلتی پھرتی تصویر بن جاتے۔

جب کوئی بات ھونے والی ھوتی ھے تو اسباب خود

کارکن مشاعرہ کي شخصيت ' شاهانہ مشاعرہ کي اهليت ' ظل سبحاني تک رسائي ' بادشاہ سلامت کا انداز تکلم ' قلعۂ معلّٰی کي سير ' شعراء دهلي کو دعوتِ شرکت دينا ۔ هر ايک کے مکان پر جانا ' هر شاعر کي طرز زندگي و خصائل و عادات کا معلوم هونا ' آپس کي نوک جهوک ' شعراء کي آمد کا منظر ' مشاعرہ کي ابتداء شعراء کا انداز بيان اور نمونۂ کلام ' تنقيد و تبصرہ طريق نشست وغيرہ ايسے دل کش پيرائے ميں تحرير هيں کہ بالکل يہ معلوم هوتا هے جيسے تمام واقعات اپنے سامنے هو رهے هيں اور بچشم خود اس مشاعرہ کو ديکهکر حال و قال سے دور ماضي کے لطف اُٹها رهے هيں جس ميں شاہ و شاهزادگان والا تبار اور شاعرانِ دربار يکتائے روزگار کي خوبياں قابل ديد و لائق داد هيں ۔ دل چسپي کے علاوہ معلومات ميں بهي اضافہ هوگا ۔

راقم : احسن مارهروی ۔

اُردو ليکچرار ۔ مسلم يونيورسٹي ۔ علي گڑهہ

انتخاب

از

دهلی کا ایک یادگار آخری مشاعرہ

- مصنفۂ -

جناب میرزا فرحت اللہ بیگ صاحب بی اے - دهلوی

تعارف

سنۂ ۱۲۶۱ ھ کا رہ یادگار مشاعرہ جو ابوظفر بہادر شاہ آخری تاجدار دهلی کے عہد میں باهتمام مولوی کریم الدین صاحب هوا تها میرزا فرحت اللہ بیگ صاحب دهلوی نے نہایت قابلیت کے ساتهہ اپنی مقبول طرز نگارش میں قلم بند کیا هے جس کے مطالعہ سے اُس عہد کا مذاق شعر و ادب اور قلعۂ معلیٰ کی بعض خصوصیات معاشرت کا اندازہ اس طرح هوتا هے جس طرح چشم دید حالات و واقعات معلوم هو سکتے هیں -

روس کے ساکن - غرض ھر ملک کے قائم مقام انگلستان کے بڑے شھروں میں روزي کما رھے ھیں - اور محروم ھیں تو ھم جن کا اتنا حق انگلستان پر ھے اور جن سے انگلستان کو بیشمار نفع پہنچتا رھتا ھے - یہي حال کم بیش سلطنت برطانیه کے دیگر حصص اور امریکه وغیرہ میں ھے - اور جوں جوں اس کیفیت کو ھم بچشم خود دیکھتے ھیں - دل کڑھتا ھے اور یه آرزو پیدا ھوتي ھے که ھمارے ھموطن بھي نکل پڑیں اور اس خوان یغما میں شریک ھوں -

---

تو خود اس فن سے واقف ہوں اور واقفکار آدمیوں کو
ساتھہ لے جائیں - صنعت والے اِس قابل ہوں کہ چار
باتیں کسي سے سکھیں تو چار اُس کو سکھا بھي
سکیں - جس ملک میں جائیں اُس کي زبان پہلے حاصل
کرنے کي کوشش کریں اور اس کے اوضاع و اطوار سے
واقفیت بہم پنہچالیں - وہاں دن بسر کریں تو اِس
طرح کہ معلوم ہو کہ نہ صرف اپني بلکہ اپنے ابنائے
وطن کي عزت کا وقت پاس ہے - اگر بڑھیں اور اِن
احتیاطوں کے ساتھہ بڑھیں - تو کوئي دن میں وہ کامیابیاں
جو اب اوروں کے حصے میں ہیں - ہمارے احاطۂ دسترس
میں ہوں - اور یہ جو ناکامیوں کي شکایت اب ہے -
اِس کا خاتمہ ہوجائے - لندن میں ہزارہا یہودي روس
سے آتے ہیں اور دنوں میں کارو باري بن جاتے ہیں -
چند سال کے بعد انگریزوں کے سے حقوق حاصل کرتے
ہیں اور اِن کي اولاد ہر اعتبار سے انگریز کا حکم رکھتي
ہے - فرنسیسي - جرمني - ارمني - یوناني اطالیہ کے
باشندے - ہسپانیہ کے باشندے - آسٹریا کے رہنے والے -

مصرعوں پر اکتفا کرتا هوں - اور اپنے سخنور احباب سے عرض کرتا هوں -

آگر شاعري ایک اشارت بس! است -

بخت آزمانے نکلو جنگل بسانے نکلو
کڑیاں اُٹھانے نکلو جانیں لڑانے نکلو
گھر سے نکل کے دیکھو - هندوستان والو!

دولت کمانے نکلو حکمت اُڑانے نکلو
مذهب سکھانے نکلو هر هر بہانے نکلو
گھر سے نکل کے دیکھو - هندوستان والو!

غرض نکلو تو سهي - مگر ایک شرط ملحوظ رهے - ایسي طرح گھر سے نه نکلو که نه گھر کے رهو نه گھاٹ کے - بلکه سامان کے ساتھه - جس سے اپني عزت بڑهے - اور ملک کي شان - ایسا نه هو که جو بالکل بے زر هیں - وہ بغیر مآل کار سوچے وطن کو چھوڑدیں - تجارت والے سرمایه کا بندوبست کر کے نکلیں - تعلیم کے شائق پہلے گھر خوب پڑهه کر نکلیں - زراعت کے لئے جائیں

چاهئے - جب قومیں بنتے هیں اور اُن کے دن بهلے آتے هیں تو اُن کے عزم و اِرادے میں استقلال پیدا هو جاتا هے اور اُن کے افراد گهر سے جو ارادہ کر کے نکلتے هیں اس سے کبهي نهیں ٹلتے - پس اگر حب وطن کا هندیوں پر یہ اثر هو کہ وہ اپنا گهر گهسنا پن چهوڑ کر - سفر کي صعوبتیں برداشت کر نے - نئے مقامات میں رزق ڈهونڈهنے کي مشکلات کا سامنا کرنے اور زیادہ کامیاب اقوام کے هاتهوں طرح طرح کي ذلتیں سهنے نکلیں تو یہ بهي کچهہ بعید نهیں کہ وہ وطن سے نکل کر وطن کو یاد رکهیں اور اپني فتح اور کامیابي کي گهڑیوں میں بهي اِس کے حق سے غافل نہ هوں - اگر ڈهب کے آدمي نکلنے لگیں تو تجارت - زراعت - صنعت اشاعت مذهب - کئي اسباب تحریک کے لئے موجود هیں - موجودہ حالت کے مصداق مجهے دو چار مصرعے سوجهے هیں لکهے دیتا هوں - شاعر هوتا تو اِس لنبي تحریر کي بجائے ایک مختصر اور پرزور نظم لکهہ دیتا - جسے لوگ گاتے پهرتے - اب اِن

انھیں بھي اس نیکنامي کا حصہ ملے گا - اِس نظر سے
یہ تدبیر امتحان کے قابل ھے اور یہ ایثار کر گذرنے
کے لائق - رھا دوسرا اعتراض کہ کام کے آدمیوں سے
ملک کو خالي نہ کرنا چاھئے - اِس کا علاج یہ
ھو سکتا ھے - کہ ھر شخص جو باھر نکلنے کا تہیہ
ملک کي خاطر کرے وہ اس ارادے کے ساتھہ ھي
یہ عہد کر کے جائے کہ کامیابي کے بعد وہ ممالک
غیر کو وطن ھي نہ بنالیگا اور اپني عمر کا آخري
حصہ اور اپني محنت کي کمائي ملک کي بھلائي میں
صرف کریگا - ور جو کسي اتفاق اپنے نئے وطن کا
پابند ھو جائے - وہ اپنے وطن مادري سے کبھي رشتہ
نہ توڑے - اور دور بیٹھہ کر بھي ھند کے لئے باعث
تقویت رھے حتی المقدور ملک کي بہتري کے لئے
کوشش کرتا رھے - جو کام فرزندان اِنگلستان دنیا کے
دور دراز حصوں میں جالینے پر بھي اِنگلستان کے
لئے کرتے ھیں - وھي کام ھر ھندي ھندوستان کے لئے
کرتا رھے - اس شرط کو خیال اور موھوم نہ سمجھنا

چلا جائے تو ملک اور بھي غريب ھو جائے - اعتراض
دونوں بجا اور جاندار ھیں صرف يھي کھا جا سکتا
ھے - کہ ملک کے اندر جو ترقي ممکن ھے - وہ بھي
کیجئے اور ضرور کیجئے - لیکن اگر قوموں میں نام
پیدا کرنا ھے تو قوموں سے بھي رشتہ پیدا کرنے کي بنیاد
ابھي ڈال دو - ھندوستان میں تمھاري سب کوششیں
اُن حدود سے گھري ھوئي ھیں - جو محکومي کے لوازم
ھیں - باھر نکل کر نئے ملکو میں جو لوگ آزادي
کي آب و ھوا میں زندگي بسر کرینگے - اور اپني
قوتوں کا دوسري قوموں کي قوتوں سے موازنہ کریں گے -
انھیں معلوم ھو جائے گا - کہ کوئي وجہ نھیں کہ
ھندي کسي سے کم رھیں - اُن کي رائے دوسروں کي
رائے پر اثر ڈالے گي - اُن کي مثال دوسروں کو
اُبھارے گي - اُن کي حیثیت کا عکس دوسروں کي
حیثیت پر پڑیگا - اگر وہ باھر اپني قابلیت کا
سکہ جمادینگے اور اپنے چلن کي خوبي کا اعتراف
کرالیں گے تو ملک میں جو اُن کے بھائي ھونگے

هو جائیں اور آباد کریں - آئے دن سینکڑوں جاتے هیں - مگر اُدھر سے 'هَلْ مِنْ مَّزِیْدِ' کي آواز جاري هے - کچھه همت در پرھے لکھے هندوستاني اگر چاهیں تو عجب نهیں که اِنهیں وهي رعایات مل جائیں جو اور آباد کاروں کو مل رهي هیں - اور اگر یه تجربه کامیاب ثابت هو تو اور زیادہ زیادہ جانے لگیں - غرض اُمنگ اور جستجو شرط هے - پھر اس میں کچھه کلام نهیں - که "پائے گدا لنگ نیست - ملک خدا تنگ نیست" -

اِس تحریک پر اعتراض دو هو سکتے هیں - اول تو یه که خود همارا ملک بهت وسیع هے - اُس میں ابھي بهت سي زمیں قابل زراعت موجود هے اور بهت سے پیسے قابل تحصیل - سرمایه باهر نکلنے کے لئے چاهئے - اُس کي بھي ملک میں بیحد ضرورت هے - پھر باهر جانا کیا معنے - دوسرا یه که آگے هي ملک میں کام کرنے والے کم ملتے هیں - اور اگر اِس طرح با همت آدمیوں کا ایک معتد به حصه ملک سے باهر

خلاف تعصب بھي کم ھے - وھاں کچھہ اور بھي کھپ سکتے ھیں - ریاستہائے متحدہ امریکہ اسوقت جمیع اقوام عالم کو مقناطیس کي طرح کھینچ رھي ھیں - جرمن سے روس سے - فرانس سے انگلستان سے - لوگ وھاں کے باشندے قرار پاجاتے ھیں - معلوم نہیں اگر بہت سے ھندوستاني وھاں جاکر بسنا چاھیں تو وہ کیا رویہ اختیار کریں لیکن تا حال آن کا سلوک ھندوستاني سیاحوں واعظوں اور طلبہ سے بہت عمدہ ھے - آزادي کي سر زمیں ھے - زرخیزي میں دنیا کے کسي حصے سے کم نہیں - محنت مزدوري کے لئے اچھي ھے بشرطیکہ کوئي ھنر کسي کے پاس ھو - وھاں قسمت آزمائی کرنے والے نکلنے چاھئیں - کینیڈا تو سلطنت برطانیہ کا ھي حصہ ھے - اور اِس میں ھزاروں ایکڑ قابل زراعت زمین کے کاشتکار کے ھاتھہ کا انتظار کر رھے ھیں - وھاں کي گورنمنت آئے دن انگلستان اور دیگر ممالک یورپ میں ایجنت بھیجتي ھے - کہ لوگوں کو ترغیب دے کر لاؤ - زمین مفت ملے گي - وہ آکر قابض

کي دکانیں هیں - کیوں اس سے زیادہ نہ هوں - ملک کے اندر کے شہروں میں کیوں هندي تاجر گھس نہ جائیں؟ روم هم سے بہت دور بھي نہیں اور همارے ابنائے وطن میں خصوصاً مسلمانوں کا تعلق بھي اُس سے گاڑھا هے - روم میں هر قوم کے تاجر هیں - نہیں موجود تو هندي هي نہیں - افریقہ کے بعض حصوں میں هندوستاني جانے لگے تھے اور کام بھي اُن کا خاصہ بن چلا تھا - مثلاً جنوبي افریقہ میں - اور وهاں آب و هوا بھي اچھي تھي - مگر وهاں فرنگي اقوام کو اِن چند آدمیوں کي کامیابي بھي کانٹے کي طرح کھٹکي اور اُنھوں نے اُن کے راستے میں بیحد دقتیں ڈالدیں اور اُن کا جانا قریب قریب بند کر دیا - اچھا یہ دروازہ بند هے تو بند هي سہي - اور کئي دروازے ابھي افریقہ میں کھلے هیں - وهاں گھس جاؤ - اور جو دروازہ بند هو اُس کو بھي کھٹکھٹاتے رهو - کبھي تو کھلیگا هي - امریکہ جنوبي کے بعض حصوں میں کچھ هندي اچھي حالت میں - وهاں اِن کے

کے خزانے میں ہمارے ہاں سے جاتا ہے اس کی بابت تو فریادیں ہوتی ہیں - کہ ہم لوٹے جارہے ہیں - کیا یہ بھی گورنمنٹ کا قصور ہے کہ سب بڑی بڑی تجارتی کوٹھیاں - بہت سے بڑے کارخانے - قریباً سب بستیاں جو چاء - نیل یا قہوہ کی پیداوار کے لئے قائم ہیں - انگریز تاجروں کے ہاتھہ میں ہیں؟ کیا اگر خود اہل ملک مشترکہ سرمایۂ کی بڑی کمپنیاں رکھتے ہوں - اور ان کاموں میں حصہ لیں اور انگریز تاجروں کے نفع میں خود بھی شریک ہوں تو کوئی انہیں روکتا ہے؟ چاہئے تو یہ کہ ہر انگریز کے جواب میں جو ہندوستان میں تجارت کر کے روپیہ کماتا ہے - ایک ہندی تاجر انگلستان میں روپیہ کما رہا ہو - ہر فرانسیسی تاجر کے جواب میں ہندی کی کوٹھی فرانس میں ہو - ایران تجارتی قوم کے لئے زر خیز منڈی ہے - جب دور دور سے قومیں آکر وہاں سے روپیہ کما سکتی ہیں تو ہندوستان والے جو پاس رہتے ہیں کیوں مستفید نہ ہوں خلیج فارس کے سواحل چند جگہ ہندوستانیوں

اور ایسے اصحاب کي تعداد بڑھانے کي ضرورت ھے - لیکن میري مراد سفر سے سفر یورپ ھي نہیں - بلا شبہ اِس وقت یورپ رونق کا مرکز بنا ھوا ھے - اور صاحبان توفیق کے لئے اس کا دیکھنا خالي از لطف و فائدہ نہیں مگر میرا مدعا سفر سے عام سفر ھے - چین کا ھو یا جاپان کا - روم کا ھو یا ایران کا - تہذیب کے دعویدار یورپ کا ھو - یا تہذیب کے شکار افریقہ کا - سب سے سبق مل سکتا ھے سب سے فائدہ ھو سکتا ھے - بشرطیکہ کوئي محنت اور لیاقت کے جوھر لے کے نکلے اور ھمت کي رفاقت نہ چھوڑے - کلکتہ اور بمبئی اور ھندوستان کے بعض اور بڑے شہروں میں ایک معقول تعداد چینیوں کی ملتي ھے - جو مختلف صنعتی اور تجارتي طریقوں سے روپیہ کما رھے ھیں - اور بُوٹ بنانے میں خصوصیت سے اُستاد ھیں - کیا اِن کے مقابل میں چین کے کسي مقام میں ایسي یا اس کے قریب تعداد ھندي دستکاروں کي موجود ھے؟ نہیں انگریز تاجروں کو لو - اور اُن کے کارخانوں کو دیکھو - جو روپیہ گورنمنٹ

کي هوا کے سوا اور مقامات کي بهي هوا کهائي هے۔
تو نا معلوم طور پر ایک قسم کا تغیر ملک کے
حالات اور خیالات میں پیدا هونے لگتا هے۔ جیسے
میده پر خمیر کا اثر هوتا هے۔ اور بهت سي ترقیاں
اور بهت سي اصلاحیں جو پہلے نا ممکن نظر آتي تهیں
ممکن معلوم هونے لگتي هیں۔ اور کئي تعصبات
جو پہلے سد راه هوتے تهے۔ راستے سے هٹ جاتے هیں۔
هاں اِس نتیجے کے مترتب هونے کے لئے یه ضرور هے
که جو لوگ سفر سے مستفید هوں۔ وه اِس کے فوائد
کے اخذ کرنے کي قابلیت رکهتے هوں اور اُن میں سے
بیشتر ایسا سفر کریں۔ جس کے اخرجات وه سفر هي
سے نکالیں۔ نه یه که سب کے سب ملک کا روپیه باهر
صرف کر آئیں۔ اب تک جو کچهه لوگ سفر یورپ کو
نکلے هیں۔ وه عموماً یا تو طالب علمي کے لئے نکلے
هیں۔ یا محض سیاحت کے لئے۔ اور اُن لوگوں کي تعداد
جو تجارت کي غرض سے یورپ آئے هیں۔ ابهي بهت
کم هے تاهم اس سلسلے کا آغاز هي دل خوش کن هے۔

ہے - اور کوشش کا معیار جتنا بلند رہے مفید ہے -

سوال پیدا ہوتا ہے - کہ اس ترقی کی تدبیریں کیا ہیں - تدبیریں تو مختلف ہیں اور سب اپنی اپنی جگہ ضروری - مگر ہندیوں کا بکثرت دنیا کے دوسرے ملکوں پھیل جانا اُن میں سے ایک تدبیر ہے - جس کی اہمیت میرے دل پر روز بروز نقش ہوتی جاتی ہے - صنعتی تعلیم کے لئے سفر درکار ہے - تجارتی تعلقات بڑھانے کے لئے سفر درکار ہے - محنت مزدوری کے ذریعے ڈھونڈھنے کے لئے سفر درکار ہے - مگر اِن کے علاوہ بعض اور فوائد دوسرے ممالک میں چندے قیام پذیر رہنے سے وابستہ ہیں - جن کا احساس وطن میں کم ہوتا ہے اور زیادہ تر وطن کے باہر ہی ہو بھی سکتا ہے - دوسری قوموں کے اوضاع و اطوار دیکھنے سے خیالات میں ایک وسعت پیدا ہوتی ہے - جو نہایت قابل قدر ہے اور جب کسی ملک میں ایک کثیر تعداد ایسے لوگوں کی موجود ہو جو مدتوں باہر رہے ہیں اور جنھوں نے اپنے ہاں

بھي همارا وطن كسي سے كم نهيں - اور ابھي كل كي بات هے كه يورپ كي دوكانوں ميں هندوستان كي دستكاري مهنگے داموں بكتي تھي - اب مشين كا زمانه آگيا هے - اور صنعتي اور تجارتي لڑائي ميں اس قوم كا جو كل كا مقابله هاتھه سے كرنا چاهئے - وهي حال هوگا - جو ميدان جنگ ميں توپ كا مقابله تير و تفنگ اور بندوق كا سامنا تيغ و سنان كے ساتھه كرنے سے هوتا هے - وقت آپهنچا هے كه هند جاگے اور اُس كے ساتھه اهل هند كي قسمت اور هندوستان والے دنيا كي معزز صنعتي اور تجارتي اقوام كي مجلس ميں برابر كي كرسي ليں - اِس كا آغاز تو پہلے گھر كي خبر لينے سے هي هوگا - كه اپني ضرورت كي چيزيں اپنے كارخانوں سے خريديں - مگر اس كا معراج يه هے كه هندوستان كا مال زمانۂ سابق كي طرح اطراف دنيا ميں پهيلنے لگے - بيشك يه منزل دور هے - اور دشوارياں بھي ركھتي هے - ليكن اس كا پيش نظر رهنا بهر حال ضرور هے - مسافر كي رفتار پر اِس علم كا اثر هوتا

نہ ہوگا - کہ جز و قلیل - جزو اعظم بیرونی تجارت پر منحصر ہے - دنیا کا کونسا گوشہ ہے جہاں جرمن ساخت کا مال نہیں پہنچتا - چین میں اِس کی کھپت ہے - روم میں اِس کی قدر ہے - افریقہ کی منڈیاں وہ گھیرے ہوے ہے - اور ہندوستان کے بازاروں میں وہ انگریزی ساخت کی چیزوں سے بڑھکر بکتا ہے - یہاں تک کہ خود انگلستان باوصف بڑا تجارتی ملک ہونے کے جرمن ساخت کی اشیاء کی دستبرد سے بچ نہیں سکتا - اور لندن کے بازاروں میں لاکھوں کا مال جرمنی سے آیا ہوا بکتا ہے - امریکہ بھی اس ترقی میں کسی سے کم نہیں اور انگلستان بھی اول درجے کے تجارتی ممالک میں ہے - اِس کے سوا یورپ کے قریب قریب سب ملک اس تجارتی لوٹ میں جو دنیا میں مچ رہی ہے - کم و بیش حصہ دار ہیں - مشرقی اقوام میں سے جاپان نے حال ہی میں اس گر کو سیکھا ہے - اور جاپانی چیزیں بھی جابجا پھیلتی جاتی ہیں - اب ہندوستان کی باری ہے - ہاتھہ کے کام میں اب

گھر سے نکل کے دیکھو

''سفر و سیلۂ ظفر ہے۔'' یہ مقولہ اگلے زمانے میں بھي سچ تھا - اور آج بھي سچ ہے - بلکہ پہلے کم تھا - اب زیادہ - پہلے افراد پر عائد ہوتا تھا - اب اقوام پر حاوي ہے - کسي ترقي کرتي ہوئي قوم کا نام لو- جو اس کے فوائد سے بے خبر ہو- دنیا کي موجودہ تجارت کا فروغ اِسي اُصول پر مبني ہے - جرمنی آجکل صنعت و حرفت کي ترقي میں اول درجے پر شمار کیا جاتا ہے - کیا اُس صنعت و حرفت کامدار محض اہل جرمني کي قدردانی پر ہے ؟ اِس میں شک نہیں کہ اہل ملک بھي اپنے مال سے بڑھہ کر کسي کے مال کو نہیں سمجھتے - دوسرے ملکوں کي بني ہوئي چیزیں اگر جرمني میں راہ پانے کي کوشش کریں تو وہانکي حکومت اُن اشیاء پر بھاري محصول لگاتي ہے - تاکہ ملکي اشیاء کا مقابلہ نہ کر سکیں - مگر یہ وہاں کي صنعتي ترقي کا ایک جزو ہے - اور شاید یہ کہنا مبالغہ

کے مختلف حصص کے تعلقات بڑھتے جائیں گے توں توں یہ سادي شستہ بانکي اور ہر قسم کے مطالب کو ادا کر سکنے والي اُردو زبان جو ہندوستان کے اکثر حصوں میں بولي جاتي ہے اور جو حکمراں قوم انگریزي زبان کے ساتھہ خاص تشابہ رکھنے کے باعث بالخصوص مرغوب ہے ہندوستان کي اکثر دیگر زبانوں پر غلبہ حاصل کرتي جائے گي اور بالاخر وہ وقت آجائے گا - جب کہ تمام آریہ ہندوستان کي زبان ایک ہو جائے گي " - اس میں کوئي شک نہیں کہ اُردو زبان اور انگریزي زبان کي تاریخ میں ایک عجیب و غریب مماثلت ہے - اور ولیم کوپر شاعر انگلستان کے دلفریب الفاظ دونوں پر صادق آسکتے ہیں -

" اے انگلستان اس مدت مدید کے بعد بھي تیري زبان پر تیرے فاتحیں کا اثر نمایاں معلوم ہوتا ہے - شستگي بانکپن اور لطف ادا اس کے خاص جوہر ہیں اور یہ خیالات و الفاظ کے اِن گرانمایہ سے دمک رہي ہے تیرے فاتحیں پیچھے چھوڑ گئے ہیں " -

الفاظ آهسته آهسته اُن کي تحريروں ميں آتے جاتے هيں - (مثلاً توبة النصوح کے مصنف کے الفاظ انٹرنس - البم - فري ميس - ربڑ پنسل ڈاکٹر وغيره کو استعمال کيا هے) اور اُن کي طرز تحرير اور لکھنے کا ڈھنگ انگريزي طرز ادا سے متاثر هوتا جاتا هے - اِس اثر کا نتيجه خود واضح هو جائيگا بيمز صاحب اس امر کے متعلق يوں پيشينگوئي کرتے هيں -

'' غالباً گمان يه هے که ريلوں سڑکوں اور ديگر وسائل آمد و رفت کي توسيع سے پنجابي اور راجپوتانه کي ديگر مقامي بوليان معدوم هوئينگي - جس کا نتيجه يه هوگا که اٹک سے راج محل تک اور هماله سے وندهياچل تک ايک هي زبان هندي مفرس يعنے اُردو کا دور هوجائيگا - اس وقت اِس زبان کے بولنے والوں کي تعداد دس کروڑ سے بهي زياده هوگي اور يه زبان اپني عظيم الشان وسعت اور روزافزوں وقعت کے باعث اپني همسايه زبانوں پر بهي ايک بهت بڑا اثر ڈالے بغير نه رهے گي - جوں جوں مقامي اتحاد کے وسائل اور ملک

هندوؤں پر کیا ہے - اگرچہ حقیقت میں یہ کتابی ہندی وہی اردو ہے جس میں غیر ملکی الفاظ محاورات کی جگہ تصنع سے ہندی محاورات اور سنسکرت کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں - یہی وجہ ہے کہ ہندی زبان بولنے والے ممالک کے تعلیم یافتہ ہندو کتابی ہندی کو آسانی سے سمجھہ سکتے ہیں اور برج بھاشا بولنے والے اس کے فہم سے عاری ہیں - ہمارے نزدیک ڈاکٹر هارنل نے جو اردو مشرقی ہندی اور مغربی ہندی میں امتیاز کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے - اور اردو مشرقی اور مغربی ہندی سے اس طرح متمیز ہے جس طرح انگریزی ڈچ اور جرمن سے -

فی زماننا انگریزی زبان کی طرز تحریر اردو زبان پر بہت بڑا اثر کر رہی ہے - موجودہ اردو اخبارات اور تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کی بولی انگریزی زبان کے الفاظ و محاورات سے معمور ہوتی ہے - اگرچہ مستند اردو مصنفین کی تحریروں میں انگریزی الفاظ و اصطلاحات کو چنداں دخل نہیں ہے - تاہم بہت سے

کے ایک تھوڑے سے حصے تک ہي محدود رہتي اور
اس کي حیثیت ایک معمولي مقامي بولي کي
حیثیت سے بڑھ کر نہ ہوتي - ڈاکٹر ہارنل نے
ٹھیک کہا ہے - کہ اُردو برج بھاشا کي ایک تبدیل
شدہ صورت ہے - جس نے بھاشا کي گردانوں کے اُلجھاؤ
سے اپنے آپ کو آزاد کر لیا ہے - اور بعض صیغے جو
پنجابي اور مارواڑي کے ساتھہ مختص ہیں رکھہ لئے
ہیں - پس اُردو بلحاظ صرف و نحو کے ہندي الاصل
ہے جس میں کچھہ مارواڑي اور پنجابي اجزاء بھي
شامل ہیں اور بلحاظ الفاظ و اصلاحات کے اِس کي اصل
کچھہ ہندي ہے اور کچھہ فارسي و عربي وغیرہ بلکہ
اس کے مصنفین نے کئي غیر ملکي محاورات کا ہندي
ترجمعہ کرکے اپني زبان کے ذخیرۂ محاورات کو زیادہ
کیا ہے مثلاً ''محنت کھینچنا پھل لانا'' وغیرہ جو محنت
''کشیدن اور بار آوردن'' کا ترجمہ ہیں کتابي ہندي کي
تو ابتدا ہي اس صدي سے ہوتي ہے - یہ گویا اس
اثر کا نتیجہ ہے جو انگریزي تعلیم نے زمانہ حال کے

لوگوں میں سے اکثر مثلاً اہل پنجاب نے اردو مدرسوں میں پڑھ کر سیکھی ہے -

بعض مغربی مصنفین کی رائے ہے کہ اُردو ہندی سے کوئی الگ زبان نہیں ہے - کیونکہ اس کی صرف و نحو کلیۃ ہندی اصل کی ہے - بمیز صاحب فرماتے ہیں کہ اُردو کو ہندی زبان سے متمیز تصور کرنا غلطی ہے - اگرچہ ہندی بولنے والے مقامات میں مقامی بولیوں کے درمیان بہت سا اختلاف ہے تاہم ایک مشترک بولی متعارف ہے - جس کو تمام تعلیم یافتہ لوگ استعمال کرتے ہیں اس مشترک بولی ابتدا مضافات دہلی سے ہوئی اور ہندی کی وہ شکل جو اس شہر کے گرد و نواح میں بولی جاتی تھی رفتہ رفتہ ایک نئی زبان سمجھ کر اختیار کرلی گئی - بمیز صاحب ٹھیک فرماتے ہیں مگر وہ اس امر کو نظر انداز کرتے ہیں کہ اس نئی زبان کا اختیار کیا جانا ہی گویا اُردو زبان کی ابتدا تھی - اگر ایسا نہ ہوتا تو برج بھاشا شمال مغربی ہندوستان

ممالک متوسط	...	۱۵۵۰۱۴
حیدرآباد ...	...	۲۷۰۴۰۰
بمبئی	... ...	۱۳۰۱۲۲۲
میزان	... ...	۸۰۰۴۲۸۳

مدراس کے اُردو بولنے والوں کي تعداد اس تعداد میں کچھہ بہت بڑا اضافہ نہیں کرسکتي لہذا مندرجہ بالا تعداد کم و بیش ہندوستان کے خالص اُردو بولنے والوں کي سمجھي جاني چاهئے - لیکن یاد رکھنا چاهئے کہ جزئی طور پر اُردو زبان کي وسعت اِن حدود سے وسیع تر ہے - مثلاً پنجاب کے ایک کروڑ مسلمان باشندوں اور ایک کروڑ ۵۵ لاکھہ مسلمان بنگالي بولنے والوں کے درمیان اُردو جزواً مروج ہے - مزید براں مندرجہ بالا ۸۰ لاکھہ اُردو بولنے والوں میں غالباً لکھہ پڑھہ سکنے والوں کي تعداد اس قدر ہے کہ شاید کسي اور دیسي زبان کے بولنے والوں میں اس قدر نہ ہوگي - یہي حال اُن لوگوں کا ہے جو اردو کو بطور زبان ثانی استعمال کرتے ہیں - اِن

اُردو کي ماں يعني برج بهاشا کا اثر تو دهلي اور آگره تک هي محدود تها مگر ماں کي بيٹي کو خدا نے وه شرف بخشا که آج شمالي هندوستان ميں تين لاکهه مربع ميل پر اس کا دور دوره هے بلکه جنوبي اور مغربي هندوستان کے بعض وسيع اضلاع بهي اُس کي حکومت سے آزاد نهيں اس کے علاوه کئي مقامات ميں مقامي بوليوں کے علاوه اُردو گويا ''زبان ثاني'' تصور کي جاتي هے - جس کي وجه سے اُردو بولنے والوں کي تعداد کا صحيح اندازه کرنا نهايت مشکل هے باوجود اس اشکال کے هم **گريرسن** صاحب کي تحقيقات کے مطابق زبان مذکور کے بولنے والوں کي تعداد درج کرتے هيں اور صاحب موصوف کا شکريه ادا کرتے هيں - جنهوں نے از روئے کرم همیں اپنا مسوده عطا فرمايا -

پنجاب	... ...	۵۸۹۶۱۱
صوبجات متحده اور اوده	...	۳۴۸۶۳۶۰
بنگال	... ...	۱۶۷۲۴۷۸
راجپوتانه وغيره	...	۵۲۹۰۸۹

قومي اسباب هوئے هيں اول چھاپه خانه كي ترويج جو مسيحي واعظوں بالخصوص سيرام پور كے واعظوں كي وساطت سے هوئي - دوم زبان انگريزي تعليم جو سنه ۱۷۳۲ع سے مسيحي واعظوں اور بالخصوص ڈف صاحب كے مساعي جميله سے شروع هوئي اور جس نے هندوستان كي زبانوں پر مغربي علمي خزائن كے دروازے كھول كرآن پر وه احسان كيا جو گم شده يوناني علم ادب كي دريافت نے يورپ كي زبانوں پر كيا تھا - مغربي علوم و فنون كي هوا نے آردو زبان ميں ايك نئي روح پھونكدي هے اور شايد هندوستان كي كوئي اور زبان اِس مغربي اثر سے اِس قدر متاثر نهيں هوئي - جس قدر كه يه زبان هوئي هے - سوم آردو زبان كا فارسي كے بجائے درباري زبان قرار ديا جانا اِس واقعه كے اثر نے پٹنه اور پشاور كے درمياني ممالك كو آردو كے زير نگين كر ديا هے - اور چونكه دهلي اور آگره كو اب دارالخلافه هونے كا شرف نهيں رها اس واسطے زبان مذكور كي ادبي تحريكات كے مركز لاهور اور آله آباد قرار پاگئے هيں -

ایک موزوں آلہ ھے - اِس میں کوئي شک نہیں کہ اُردو نثر کي نشو و نما میں ایک بیجا تعریق لاحق ہوئي ھے - تاھم یہ تعریق اپنے فوائد سے خالي نہیں رھي - مسٹر بدمز فرماتے ھیں -

"بدقسمتي سے قریباً ھر ھندوستاني زبان کا یہي حال رھا ھے - کہ جب مصنفین نے اس زبان میں لکھنا شروع کیا تو اُن کي طرز تحریر سے قدرتي رنگ معدوم ھو گیا اور تصنع اور بناوٹ نے یہاں تک زور پکڑا کہ متاخرین نے متقدمین کي طرز تحریر کو بغیر کسي تبدیلي کے اختیار کرلیا" - لیکن اُردو زبان اس قید سے مستثنیٰ تھي اس میں کوئي شک نہیں کہ بعض فارسي تصنفات تقلید سے اسے نقصان پہنچا تاھم یہ صحیح ھے کہ اُردو نثر نویسوں نے بالعموم ایسي طرز تحریر کو اختیار کیا جو وقت کے تقاضے سے خود بخود پیدا ھوئي - اور جو بناوٹ سے آزاد ھونیکي وجہ سے عوام کے فہم اور سمجھہ کے عین مطابق تھي -

موجودہ صدي میں اُردو نثر کي ترقي کے تین بڑے

نئي زبان کا علم ادب بھي ترقي کرتا گيا - دو صديوں تک تو يہ علم ادب صرف مذہبی اور عاشقانہ نظموں تک ہي محدود تھا - جن کے مطالعہ سے زبان کي تدريجي نشو نما کا سراغ ملتا ہے ليکن سولہوين صدي کے اِختتام سے پيشتر مسلمان شعرا کي طبع آزمائياں شروع ہوتي ہيں - اگر چہ اِن کا عروض اور ان کي زبان زيادہ تر ہندي اصل کي ہيں سنۂ ۱۶۰۰ کے قريب اردو شعرا فارسي بحور کا اِستعمال شروع کرتے ہيں اور رفتہ رفتہ فارسي الفاظ و محاورات اُردو زبان ميں کثرت سے داخل ہوتے جاتے ہيں - اٹھارھوں صدي کے اختتام کے قريب (۱۷۹۰ ع) اُردو نثر کا پہلا نمونہ شاہ عبد القادر صاحب کا ترجمہ قرآن شريف شائع ہوتا ہے - مگر چونکہ اس کے مصنف نے عربي محاورات و الفاظ و استعارات کی اندھا دھند تقليد کي ہے - اِس واسطے يہ ترجمہ تصانيف ادبيہ ميں شمار کئے جانے کا مستحق نہيں ہے -

آخر اُنيسويں صدي کے شروع ميں اُردو مصنفين نے يہ محسوس کيا کہ نثر اظہار خيالات و تاثرات قلبي کا

بالخصوص وزیر صیغۂ مال ہندو تھے - جن کو تقاضائے وقت کي وجہ سے اس وقت کي درباري زبان یعني فارسي سیکھني پڑي - جس طرح انگلستان میں شاہان نارمن کے عہد سے اینگلو سکسن اور نارمن فرنچ کي آمیزش سے انگریزي زبان کا آغاز ہوتا ھے اسي طرح ہندوستان میں فاتحوں اور مفتوحوں کي زبانوں کي آمیزش سے یا یوں کہو کہ فارسي اور برج بھاشا کے ازدواج سے اُردو زبان پیدا ہوتي ھے - فارسي بولنے والے مسلمان سپاھي روز مرہ کے کاروبار میں جن کو دھلي اور آگرہ کے باشندوں کے ساتھہ برتاؤ کرنا پڑتا تھا - اس آمیزش کے اور بھي ممد ہوئے یہاں تک کہ ہندي مصري - فشون شاھي یعني اردوئے معلی کے نام پر اُردو کہلانے لگي -

حکومت مغلیۂ کي توسیع کے ساتھہ ساتھہ شمالي اور کسي حد تک جنوبي ہندوستان میں بھي تعلیم یافتہ لوگوں میں اس زبان کي تزریج ہوتي گئي اور ہندوستاني مسلمان مصنفین کي فارسي تواریخ و اشعار کے ساتھہ اس

زبان اردو

آردو کي زبان ابتدا شہنشاہ **اکبر** (۱۵۵۶ - ۱۶۰۵)
کے عہد سے ہوئي ھے ہمایون کے عہد میں سلطنت **مغلیہ**
مضافات دھلي و آگرہ تک ھي محدود تھي - مگر اکبر
کي ذکاوت اور اس کي قوت انتظام نے اِس چھوٹے سے
علاقہ کو ایک عظیم الشان سلطنت بنا دیا - جو کابل
اور قندھار کي سرحد سے شروع ھو کر ارزیسہ اور حدود
آسام تک پہنچتي تھي - :اس کا **دارالخلافۃ** کبھي شہر
دھلي ھوا کرتا تھا اور کبھي آگرہ اور اُن شہروں کے
درمیاني اضلاع کي زبان مغربي ھندي کي ایک شاخ
تھي جس کو برج بھاشا کے نام سے موسوم کیا جاتا ھے -
غالب خیال یہ ھے کہ اکبر کے عہد تک مسلمان بھي
ھندوؤں کے ساتھہ میل جول رکھنے میں یہي برج بھاشا
بولا کرتے تھے - مگر شہنشاہ مذکور کے زمانے سے اِس تغیر
کا آغاز ھوتا ھے جس کا نتیجہ باالآخر یہ ھوا کہ ضرورت
نے ایک نئي زبان پیدا کردي اکبر کے کئي وزرا

یہ بیچارہ حسب ستم سہے جاتا ہے اور آف نہیں کرتا ہے''۔ مگر یہ شکایت کرنے والے خواہ کتنے ہی حق بجانب ہوں۔ انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا اضداد سے پیدا کی گئی ہے ہر ایک چیز کا وجود اس کے ضد کے وجود کا مقتاضی ہے۔ دھوپ کے ساتھہ سایہ لگا ہوا ہے۔ اور دھوپ کا احساس نا ممکن ہوتا اگر ساتھہ سایہ نہ ہوتا۔ ایک مثبت ہے۔ دوسرا منفی۔ دونو لازم و ملزوم ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ حکمت بالغہ کا مقصد اصلی کیا ہے اور اس میں انسان کا کیا حصہ ہے نگاہ میں وسعت اور عمق پیدا ہو جائے تو تمام تکالیف خیر محض دیکھائی دیں اور منفی کی تہ میں کچھہ مثبت پنہاں نظر آنے لگے۔ یہی وہ سرمہ ہے جس کے لگاتے ہی آنکھہ گردو پیش جنت دیکھتی ہے۔ اور دل مرحوم داغ شیرین بیان کے ساتھہ آہنگ ہوکر گاتا ہے۔ کہ دنیا بھی اک بہشت ہے۔

هر ایک بات میں اپني کسي عادت - کسي خصلت کسي کمال ظاهري یا باطني کا نقش دیکھتے هیں اور باغ باغ هوتے هیں - یه وه خوشي هے - جس کے ساتھه کي دنیا میں کوئي اور مسرت نهیں هوسکتي پس پوچھو که آیا جو نعمتیں جائز کي گئي هیں - اُن کا پلڑا ممنوعات اور مکروهات دنیا سے بھاري هے یا نهیں - یه خوش قسمت جوڑا جو جواب اِس سوال کا دیگا وه تو هم سمجھه هي سکتے هیں - لیکن ممکن هے که کوئي اور یاس و حرمان کا ستایا هوا دل پکار اُتھے - دنیا کي خوبیاں تو گن ڈالیں - مگر تصویر کے دوسرے رخ کو بھي دیکھو - غور کرو - دنیا میں کتني مصیبت هے کتني بیماریاں هیں کتنا افلاس هے کتني لڑائیاں کیسي خونریزیاں هیں بجلي کتنے خرمن جلاتي هے - آگ کتنے گھر پھونکتي هے - موت کیسے کیسے خاندان تباه کرتي هے - غرض هزار آفتیں هیں - اور ایک انسان کي جان - ع

هرچه آید بر سر فرزند آدم بگذرد

دور هي سے تڑپتے هیں اور تڑپتے تڑپتے منزل پر جا رهے هیں - اُن بیشمار مثالوں کي طرف آؤ - جو ''حسن'' کو دیکھه کر اُس کو اپنا بنانے کي آرزو کرتے هیں - اور آساني کے لئے اِس صیغے میں حسن انساني کے فدائیوں کو دیکھو - اِن میں کئي ایسے خوش قسمت هیں - جو اِس آرزو میں کامیاب هوتے هیں - جس حسین پر آغاز عشق میں اُن کي نظر پڑتي هے - آخر اُس سے ملنا هو جاتا هے - دنیاوي رسوم اور مذهبي قوانین دونوں اِس اِتحاد کو تسلیم کرکے اپني منظوري کا سهرا طالب و مطلوب کو پهناتے هیں - اور دعا دے کر رخصت کرتے هیں کہ جاؤ - خوش رهو آباد رهو - پهلو پهولو - آگے چل کر درخت امید ثمر لاتا هے - حسن پهر نئي کونپلیں نکالتا هے - ماں باپ لڑکے لڑکي کي پیشاني میں پهر اُسي نور کي جهلک دیکھتے هیں - جس نے اُنهیں جواني میں ایک دوسرے کا والہ و شیدا کیا تها - اور دیکھه دیکھه کر خوش هوتے هیں - اُس کي

اور سبقوں کي ترتیب مکمل اور آسان کر دینے میں کوئي دقیقه نہیں اُٹھا رکھا - اُس بینائي پر حیف ہے جو اِتني قریب مثال کے ہوتے یه کہے - که مجھے نظر نہیں آتا - تو میں کیوں کر مانوں - میں دیکھه نہیں سکتا تو میں کیونکر متاثر ہوں - میں دور ہوں - میں کیا کروں -

بریں در دیدۂ حیران من ہزار افسوس

که با دو آئینه رویش عیان نمی بینم

لیکن ہم تو دنیا سے آگے نکل چلے - ابھي تو اِسي کي دلچسپیاں ختم نہیں ہوئیں خیر اُن کا ختم ہونا تو مشکل ہے - مقصد صرف یه ہے که اُن میں سے جس ایک سلسلے کا بیان ہم نے شروع کیا تھا - اُس زنجیر کے ایک دو حلقے ابھي باقي ہیں - ہم نے حسن کا نام لیا تھا - اُن چند لوگوں کو چھوڑ کر جو "حسن" کي جھلک کوہ دور یا اور دیگر مناظر قدرت میں دیکھتے ہیں اور اِس سے پھاند کر منزل کو جا لیتے ہیں - حسن انساني میں دیکھه کر

اِس کے بعد ایک چیز آتی ھے - خوشبو سے بھی بدرجہا زیادہ لطیف ھے اور وہ حسن ھے - دیکھتے ھی دل قابو سے نکلا جاتا ھے - اُس میں ایک بیقراری اور تڑپ محسوس ھوتی ھے - ایک قسم کی لذت اس نظارے میں شامل ھے - اپنے ساتھہ درد کی کیفیت بھی رکھتی ھے - اس پر اتنی مرغوب ھے - کہ کوئی اُس درد سے خالی نہیں رھنا چاھتا - لذت اور سب لذتوں سے نرالی ھے - نہ اس کو کسی لذت سے تشبیہ دے سکتے ھیں نہ اس کو کسی طرح بیان کر سکتے ھیں - بس اِس کے آگے حسن مطلق کی شناخت تک ایک ھی زینہ رہ جاتا ھے - مگر انسانی بصیرت کی معمولی حد یہیں تک ھے - یہاں پہنچ کر بہت سی آنکھیں خیرہ ھو جاتی ھیں - اور آخری زینے پر نظر ڈالنے کی نہیں لا سکتیں کم لوگ ھیں جو آخری زینے پر کھڑے ھو کر موجودات عالم پر نظر ڈالتے ھیں یا اُن سے پرے تک دیکھتے ھیں - لیکن اگر آدمی غور کرے تو قدرت نے سبق پڑھانے میں

اشیاء سے اِس مکتب میں ابجد شروع ہوتي ھے - اُن
کا ذائقه حسن کو گرویده کرتا ھے - اس کے بعد درجهٔ
دوم کي مادي اشیاء آتي هیں مثلاً سردي - گرمي جن
کے متعلق کھانا استعارے کے طور پر بولتے هیں -
لیکن جو فی الحقیقت کھانے اور چکھنے میں نهیں
آتیں دھوپ نظر بھي آتي ھے - محسوس بھي ھوتي ھے -
بدن پر اثر بھي چھوڑتي ھے - مگر پھر بھي ایسي
چیز نهیں جیسے لونگ اور دارچیني که کھانے سے بدن
میں حرارت معلوم ھو - اسي طرح سردي بدن کو
لگتي ھے - دماغ پر اثر ڈالتي ھے - کبھي کبھي دل
تک بھي پهنچتي ھے - برف و باران کي وجه سے
ھو تو ایک حد تک نظر بھي آتي ھے پر اُس قسم
کي نهیں جیسے طباشیر اور سر دچیني - که کھائیں
اور زبان سے لے کر دل تک ٹھنڈک پُهنچ جائے -
دوم درجے کي مادي اشیاء کے بعد خوشبو سبق دینے
آتي ھے که اس کا سبب تو نظر کے سامنے ھے - مگر
وه خود نظر نهیں آتي هاں اس کا اثر موجود ھے -

مگر نہیں - وہ ایک گذران لطف ہوتا ہے - جو پل
بھر میں چل دیتا ہے - اور وہی سانس جو اندر سے
واپس آتا ہے تو گرم اور افسردہ ہوتا ہے اور اِس میں
خوشبو کا کو پتہ نہیں ہوتی - کبھی ایسے جنگل میں
گذر ہو - جہاں گلاب کا تختہ کھلا ہوا ہو - یا جہاں
اور پہاڑی پھولوں کی مہک دور سے آرہی ہو اور
تمھیں اپنی طرف بُلا رہی ہو - تو ضرور جی چاہے گا
کہ وہیں جھونپڑا بنالو - اور بیٹھہ رہو - اگر
یہ نہیں نصیب ہوا - تو فصل گل میں کسی باغ میں
جا نکلو - خوشبوئیں تو اچھی اچھی ہیں - مگر موتیا
کھلی ہو تو معلوم ہو کہ تیزی کے ساتھہ مستی کس
حکمت سے ملائی گئی ہے - اور پھر کیوڑے کی جنوں
انگیز خوشبو - کرنے کی جانفزا مہک اور بید مشک
کی سوکھی لکڑی میں دھانی رنگ کے پھول اور ان
کی بھینی بھینی بو - کوئی کس کس حسن پر جان دے -

اُستاد قدرت کی اُستادی قابل دید ہے - ذہن
انسانی کی ترقی کے لئے کیسا زینہ بنایا ہے - مادی

و انگور اور سردے اور آم کو بھلادیں سمجھتے ہو کہ
کتاب مقدس میں پراسوں کی کہانی بیان ہوئی ہے
مگر یہ معلوم نہیں کہ تمہارے دلوں کا بنانے والا اور
جاننے والا اس کہانی کے بیان کرنے میں فطرت انسانی کا
راز بتا رہا ہے - تاریخ روز اپنے آپ کو دھرا رہی ہے -
اور تمہیں خبر نہیں ہوتی -

ذائقے سے کہیں نفیس وہ حس ہے - جسے شامہ
کہتے ہیں - اس میں نہ کچھہ کھانا ہے نہ پینا -
نہ چھونے کی ضرورت ہے - صرف کسی خوشبو کے قریب
آنے کی دیر ہوتی ہے کہ مشام جان تازہ ہو جاتا
ہے - دل میں مسرت محسوس ہوتی ہے - باچھیں کھل
جاتی ہیں خدا جانے اس میں کیا تاثیر ہے - اور
اس سے یہ اڑ کر پہنچنے کی طاقت کہاں سے پائی
ہے - کہ آنکھہ کو کوئی سبب نظر نہیں آتا - اور
طبیعت ہے کہ خوش ہوئی جاتی ہے - آدمی ایک
ٹھنڈا سانس کھینچتا ہے - کہ شاید سانس سے شامل
ہو کر یہ نعمت اندر چلی جائے اور اپنی ہورہے

اور کس نے کبھي بنچھایا ۔ مَائِدَۃٌ مِنَ السَّمَاءِ[1] کي تفسیر ھے ۔ کوئي اپنا پکایا ایک کھانا تو ان ' بہشتي ' کھانوں کے مقابلہ میں پیش کرو ۔ اور تمہارے پکائے ہوئے کھانے کیا ھیں انہیں کھانوں کي نامکمل نقل ھے ۔ حلوائے بادام بناتے ھو ۔ کہ بادام کے ذائقے سے کسیقدر مشابہ ھو ۔ اگر قدرت کے عطا کئے مصالح نہ ھوں تو تمہارا کوئي کھانا مکمل اور مزے دار نہ ھو ۔ طرح طرح کي رقعہ دوزي کرکے اسے اِن چیزوں سے سجا لیتے ھو تو تمہارا دسترخوان پُر رونق ھوجاتا ھے ۔ اور یہ مَنّ و سَلْویٰ بغیر اقرار احسان کے کھاتے کھاتے جب تھک جاتے ھو ' بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا '[2] پکار لگتے ھو ۔ اس وقت گاجر ' مولي ' لہسن ' پیاز ' ماش ' اور مسور کي دال ' کھیرا ' ککڑي رہ مزا دیتے ھیں ۔ کہ سیب

---

(۱) حضرت موسي کي اُمت نے اُن سے کہا تھا کہ ھمارے لئے پکا پکایا کھانا اور چنا چنایا دسترخوان آسمان سے اُترے تو مانیں آخر من و سلویٰ اُترنے لگا ۔

(۲) لیکن جب کھاتے کھاتے تھک گئے ۔ تو سبزی ککڑی چنے اور مسور کي دال مانگنے لگے ۔

تمتّع کے موقعے اِس کثرت سے هیں۔ کہ اُن کي کثرت طبیعت کو اُن سے غافل کردیتي هے۔ کهانے کي چیزوں هي کو دیکهو۔ سرد ملکوں کے خوش ذایقه انگور اور سیب اور گرم ملکوں کے مرغوب میوے آم اور خربوزے قوت ذائقه کے لئے اس سے بڑه کر لذت کیا چاهتے هو۔ لوگ اُنهیں بهشتي میوے کہتے هیں اور مراد یه لیتے هیں کہ یه بهشت سے آئے هیں۔ کتنا بهونڈا تخیل هے یهی کیوں نهیں کہتے۔ کہ یه بهشت هے جس میں ایسے ایسے میوے میسر هیں۔ اور انهیں پر کیا منحصر هے۔ اپني اپني جگهه ایک سے ایک بڑهکر هے۔ رنگتره اور نارنگی کهاؤ تو قلب کو تفریح هو اِس سے بڑهکر اُن کي خوبي کیا هوگي۔ کہ مادي چیزیں هیں۔ مگر تفریح قلب کا ماده ان میں موجود هے۔ آلوچه اور خوباني کا قدت نے اپنے هاتهه سے جوڑا ملایا هے۔ هرے بادام اور سبز پستے۔ اِن سب کو روز چکهتے هو۔ اور پهر کہتے هو "هم پر مَنّ و سَلوٰی نهیں اترتا" اس بڑا خوان کرم کون بچها سکتا هے اور

دس بیس سو بچاس یا زیادہ آدمي چڑہ بیٹھیں تو آسے کچھہ پرواہ نہیں - اور تو اور بوجھہ جتنا اور جس قسم کا چاھو لادو انکار نہیں - بھائے لئے جاتا ھے - آگ آدمي کے لئے کھانا پکاتي ھے - روشني مہیا کرتي ھے اور اِس کے سوا کسي اور کام میں جوت دو تو اپني قوت خدمت کے لئے حاضر کردیتي ھے - ریلوے کے انجن - دخاني جھاز - اور کارخانوں کي کلیں آگ ھي کے زور سے چل رھي ھیں - اِن قوتوں سے بالاتر ایک قوت ھے جسے برق کہتے ھیں - یہ پہلے صرف چمک کر ایک آن واحد میں غائب ھوجاتي تھي - اور انسان کي شایق نظر کو ایک جھلک دکھاکر اُس سے اپنا چہرہ چھپا لیتي تھي - اسے دیکھہ کر انسان پہلے دھل جاتا تھا یا غش کھاکر گرپڑتا تھا - اب یہ بھي عقل انساني کي ترقي کے آگے سر تسلیم خم کئے ھوئے ھے - انسان کبھي اِسے پیام بري کي خدمت سپرد کرتا ھے اور اس پر غضب ھے کہ جس نے یہ عظمت اور عزت دي اُس کا شکر ادا نہیں کرتا -

کیا اُن کی یا اُن کی اولاد کی کبھی نہیں سنی جائیگی؟ امید اُنکے کان میں یہ خوش آیند آواز ڈالتی ہے -

رسید مژدہ کہ ایام غم نخواهد ماند
چناں نماند و چنیں نیزهم نخواهد ماند

انسان نہ دیکھے اور بات ہے ورنہ خود اُس سے کئی درجہ افضل چیزیں حکمت ایزدی سے اِس کی خدمت میں مصروف ہیں - آفتاب اُس کے لئے سمندروں کے پانی کو اُبالتا ہے اُن کے بخارات کو اُڑا کر بادل بناتا ہے - بادل برستے ہیں تو زمیں سرسبز ہوتی ہے - پھر آفتاب چمکتا ہے تو کھیت پکتے ہیں اور میوے کھانے کے لایق بنتے ہیں - ہوا جو انسان کی زندگی کا سہارا اور بہت سی چیزوں کی ہستی کا راز ہے - انسان کے لئے چکی تک پستی ہے - پانی چلتا چلتا انسان کے سو کام کرجاتا ہے - کھیتوں میں سے ہو نکلا تو وہ ہرے ہوگئے - باغ میں جا پہنچا تو اس میں پھل پھول آگئے کشتی کو اُس کی چھاتی پر رکھکر کہہ دو بھئی ذرا اِسے بھی ساتھ لئے جانا - تو اُسے عذر نہیں اُس میں

جاڑوں کي راتوں کے لئے لحاف اور گرميوں کي تپش کے لئے پنکھے - يہ سب دولتمندوں کے لئے هے - مگر غريب بهي خدا کے فضل سے محروم نهيں - لاکهه دولتوں کي ايک دولت قناعت هے - جس کو نصيب هو - اور غريبوں ميں اميروں کي نسبت اس کا وجود زيادہ ثابت هے - اميروں کو جوں جوں آرام کے اسباب ملتے جاتے هيں - کهے جاتا هے اور غريب کو جو مل گيا - اُسي کو صبر شکر سے ليکر بال بچوں ميں خوش هو بيٹهتا هے - گرمي ميں دوپهر کے وقت درختوں کا سايہ اُسے خسخانے سے بهتر هے اور سردي ميں سورج اُس کے کمرے کي انگيٹهي هے - رات کو اگر مکلف لحاف ميسر نهيں تو کيا هوا گدڑي يا کملي ميں لپٹا هوا يا چند سوکهي لکڑيوں کا ايک ڈهير جمع کرليتا هے اور اُن کو جلاکر اُس کے قريب رات کاٹ ديتا هے - گهر هو اور اس ميں اتفاق تو ايسي غريبي بهي کٹ جاتي هے - اور پهر دولت تو ڈهلتي هوئي چهاؤں هے کيا جو غريب هيں وہ هميشہ غريب هي رهيں گے -

دل مختلف سروں کا ارگن سمجھتے ھیں - اُن کے خیال میں کوئي سر غلط نہیں اور کوئي صورت قبیح نہیں -

گرمي کے دن اور اُن میں ٹھنڈا پاني سردي کے دن اور اُن میں سورج اور دھوپ برسات کا موسم اور اس میں ابر اور گھٹائیں - بہار کي فصل اور اُسکا جوبن - سب نعمتیں ھیں - جن میں انسان کا حصہ ھے - قدرت نے اُسکي حفاظت کا ھرموسم اور ھرآب و ھوا کے مطابق کچھہ نہ کچھہ بندوبست کیا ھے - اور اس پر قادر مطلق کا یہ احسان مزید ھے کہ اِس کو ایک چیز ایسي دے دي ھے جس کے زور پر یہ نہ صرف اپني حفاظت کا بلکہ اپنے آرام اور آسایش کا پورا پورا سامان کرسکتا ھے - اور وہ چیز عقل ھے - عقل انساني نے صفحہ قدرت کے متن پر خوب حاشئے چڑھائے ھیں اور ان میں عجب گلکاریاں کي ھیں - خسخانہ و برفاب راحت گرما ھیں تو قہوہ خانہ و گرما بہ راحت سرما - باریک ریشمي ململ اور جالیاں گرمي کے لئے اور سمور اور پشمینہ سردي کے لئے پہننے کا سامان ھیں -

اپني آسايش کي فکر پيچھے کرے گا - پہلے اپني وفادار
سواري کے لئے آب ودانے کا بندوبست کرلے - تيز گام
تازي اپنے يکہ تاز سے وہ پيار ليتا ہے کہ کسي معشوق کو
کم نصيب ہو جس حرماں نصيب بڑھيا کے لڑکے لڑکياں
اُسے چھوڑ کر چل ديئے ہوں اور جسے تنہائي مي مونس
ايک بلي نصيب ہوئي ہو - اُس سے اُس بلّي کے حسن
دلفريب کي تعريف سنو - اور جن ملکوں ميں کتّوں کو
پالنے کي رسم عام ہے اور مذہباً کوئي نفرت ان سے
موجود نہيں - وہاں ذرا کتوں کي قدرداني ملاحظہ کرو -
اچھي اچھي حسن کي پتلياں اُن پر قربان ہوئي
جاتي ہيں - اور کہتي "او حسن کي کان - او ملاحت کي
جان" اس بڑھيا کے کان بلي کي **ميائوں** ھي ميں
موسيقي کے سارے سرتال موجود پاتے ھيں - اور کتے کي
وفا کي فدائي جوان عورت کے نزديک اس کي آواز
چنگ و دف کي صدا ہے - اور دنيا بھر کي مختلف
اصوات کے ملنے سے جو آواز پيدا ہوتي ہے - جس کا نام
عوام کي اصطلاح ميں "شور ہے" اُسے درد آشنا اہل

تو کیا ہے؟ اِسي کو تو فردوس گوش کہتے ہیں - قدرت کا یہ ساز ہر وقت تمہارے خوش کرنے کو تیار ہے اس کا سازندہ نہ کبھي تھکتا ہے نہ اُس کي آواز میں ضعف آتا ہے یہ وہ ساز ہے جس کے لئے بگڑنا نہیں بنا - اور قدرت کا حسن کچھہ بمناظر کوہ و دشت اور باغ و راغ پرھي ختم نہیں ہوگیا - نہ اُسکي آواز پرندوں کي خوش الحاني تک محدود ہے - آنکھہ بینا ہو تو ہر جگہہ حسن کا جلوہ ہے - غزال کي آنکھہ اور مور کے پر اور شیر کي کھال تو خوب صورت مشہور ھي ہیں - مگر جن جانوروں کو حسن سے بظاہر کچھہ خاص مناسبت نہیں - ان کو اگر باریک بیں نگاہوں سے دیکھو تو ایک ایک جامع اوصاف ہے شکل پر کیا موقوف ہے - جوہر اچھے ہوں تو کیا دل نہیں لے لیتے؟ شترسوار سے پوچھو جس کي سانڈني لق و دق اور بے آب و گیاہ میدان کے کالے کوسوں کي منزل طے کرکے آئي ہے - کہ اُترتے ھي اُس کے گلے سے لپٹا جاتا ہے -

(۱) قرآن مجید میں ہے - نعمتوں کا ذکر کر -

کھول کر اُن حظ اُٹھاؤ - اُن کا ذکر نہ کرے بِنعْمَۃِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کا مفہوم اگر ذہن میں رہے تو ایسی غفلت ممکن نہیں - مگر نسیان تو اس کی گھٹی میں پڑا ہے - مبارک ہیں وہ لوگ جو احسانات الٰہی کو نہیں بھولتے - اور ان کے سامنے دنیا کی معمولی کلفتوں اور رنج کی کچھہ حقیقت نہیں سمجھتے -

ذرا آنکھہ کھول کر دیکھو - کیا بہار ہے ! نسیم کے ہلکے جھونکے - بادصبا کی اٹکھیلیاں - چلتے ہوئے پانی - بہتی ہوئی ندیاں - شفاف جھیلیں - ذخّار سمندر - آسمان سے باتیں کرتے ہوے پہاڑ اور اُن کی برف سے ڈھنپی ہوئی چوٹیاں - پھولوں کے تختے اور پھولوں سے لدی ہوئی ڈالیاں - درخت اور اُنکے ہرے ہرے پتے - سبزہ اور اُس کا فرش زمردیں - پکتے ہوئے کھیت اور اُن میں قوت زندگی سے بھرے ہوے سنہری خوشے - نگاہ کے لئے جنت نہیں تو کیا ہے ؟ بلبل اور اُسکی خوش نوائی - فاختہ اور اُس کی 'کوکو' - کوئل اور اُس کی 'کوک' - پپیہا اور اُس کی 'پی' - یہ نغمہ نہیں

سوائے چند خدارسیدوں کے یہاں سے کوچ کرنے کو
کوئي بھي پسند نہیں کرتا ۔ تاهم ایک زمانه هے که
اِسے برا کہنے پر تُلا هوا هے ۔ ایسي حالت میں اُس
حق پسند کي نظر غائر کي داد دیني پڑتي هے ۔
جس نے دنیا کي اُلجھنوں سے قطع نظر کرکے اسکي
بیشمار دلچسپیوں کا دھیان کیا هے ۔ اور شکرگذاري کا
ثبوت دیا هے ۔ اور غفلت کیش اِنسان کو یاد دلایا
هے ۔ که اُسے خالق نے کیسي کیسي نعمتیں بخشي هیں ۔
جن سے وه هردم هرلحظه فائده اُٹھاتا هے اور اس پر
اُحسان مندي کا یه حال هے ۔ ذراسي تکلیف پہنچے اُسے
دنوں ۔ مہینوں بلکه برسوں یاد رکھے اور هرایک سے اِسکي
شکایت کرتا پھرے اور جو لطف هرگھڑي نصیب
هوا هے اُسے بھول جائے ۔ اور اس کا شکر زبان پر لانا
تو درکنار دل میں بھي کم آنے دے ۔ جو قیود مذاهب
نے بعض چیزوں کے متعلق لگادي هیں ۔ اُن سے تو
گھبرائے لیکن اُن کے مقابل جو جو چیزیں جائز کردي
هیں اور جن کي اجازت هے که کھلے بندوں اور دل

انتخاب از انتخاب مخزن

مرتبۂ

خان بہادر شیخ عبد القادر صاحب

دنیا کی دلچسپیان

دنیا بھی اک بہشت ہے اللہ رے کرم
کن نعمتوں کو حکم دیا ہے جواز کا

آدمی بسا اوقات تکالیف کے صدموں سے گھبرا کر یا محبت کی سختیوں سے اُکتا کر کہہ اُٹھتا ہے۔ دنیا میں کیا آئے ایک آفت میں پھنس گئے۔ یا "دنیا ہے۔ کہ ایک سلسلۂ مصیبت" کوئی اِسے دوزخ سے تشبیہ دیتا ہے۔ کوئی دار المحن کے نام سے یاد کرتا ہے۔ گو عملاً سب اسکی محبت میں مبتلا ہیں۔ اور

اپنے وطن مالوف کو واپس آئے - اس زمانے میں **پٹنہ** مرجع ارباب کمال تھا اور شاعري کا گھر گھر چرچا تھا - اِن کي عمر کا بقیہ حصہ یہیں گذرا - مشاعروں میں شریک ہوتے تو دو زانو بیٹھے رہتے - اور جب شعرا غزلیں پڑھتے تھے تو یہ آنکھیں بند کئے جھوما کرتے تھے - اپني غزلیں پڑھتے وقت آنسوؤں کا تار بندھ جاتا تھا -

چھہتر ٧٦ برس کي عمر میں ٢٢ جمادي الاخری سنہ ١٢٣٨ ھ کو وفات پائي گلشن **بیخار** میں ہے - کہ سنہ ١٢٤٠ ھ میں واصل بحق ہوئے - مگر قرینہ یہ ہے کہ **خمخانۂ جاوید** میں **نوائے وطن** نے جو سنہ وفات نقل کیا گیا ہے ، وہي صحیح ہوگا -

تمہارے آشنا کب خلق سے رکھتے ہیں آمیزش
اِنہیں تو آپ سے بھي ہم نے بیگانہ سدا پایا
دل بلبل نہ تنہا چاک ہے اس عشق کے ہاتھوں
یہ وہ ہے جس سے گل کے بھي گریباں کو قبا پایا

اور کہیں کہیں شفائي اور نظیري کي ھمسري کا بھي دعوي ھے - میرے نزدیک ان کے معاصرین میں سے کسي کا بھي کلام زبان کي پاکیزگي اور بیان کي خوش ادائي میں ان کا جیسا صاف و ستھرا نہیں ھے - یہ معلوم ھوتا ھے کہ دو چار دیوانوں سے چھانت کر یہ دیوان تیار کیا گیا ھے - اور بڑي بڑي غزلیں میں سے دس دس پانچ پانچ شعر انتخاب کر کے جمع دیئے ھیں - مگر اس کو کیا کہئے کہ جو زبان غزلوں کي ھے وھي قصیدوں اور مثنویوں کي بھي ھے -

اِس قدر لکھہ لینے کے بعد **خمخانۂ جاوید** نظر سے گذرا - اس میں **نواے وطن** سے ان کا کسي قدر تفصیلي حال نقل کیا ھے - لکھا ھے کہ راسخ سنہ ۱۱۶۲ ھ میں پیدا ھوئے - کوئي کہتا ھے کہ **پٹنہ** میں کسي کا بیان ھے - کہ موضع سائیں جو **پٹنہ** سے دس کوس فاصلہ پر ایک گاؤں ھے - ان کي ولادت ھوئي سنہ ۱۲۲۱ ھ تک کلکتہ - **غازي پور** - **لکھنؤ** اور **دلي** کی سیاحت میں مصروف رھے - سنہ ۱۲۲۲ ھ میں

اور چھوٹی بڑی چودہ مثنویاں ھیں - زبان بہت پاکیزہ اور بیان نہایت صاف و سادہ ہے - کلام میں رطب و یابس نہ ھونے کے برابر ہے - تصوف کا مذاق بہت ابھرا ھوا نظر آتا ہے - جس کو بہت سادہ طریقہ سے ادا کرتے ھیں - تشبیہ اور استعاروں کی چاشنی کم ہے - جس سے، کسی قدر پھیکا پن ظاھر ھوتا ہے تاھم رنگین شعروں کی کمی بھی نہیں ہے - سیکڑوں شعر ایسے انتخاب کئے جا سکتے ھیں جو دلنشین ھونے کے قابل ھیں -

کلام سے معلوم ھوتا ہے کہ **لکھنؤ** میں ان کا قیام زیادہ رھا - چند قصیدے نواب **آصف الدولہ** اور **غازی الدین** حیدر کی تعریف میں بھی ھیں - مگر **غازی الدین** حیدر کی تعریف کا قصیدہ اس زمانہ کا ہے جب وہ نواب وزیر تھے - بعض غزلیں ناسخ و آتش کی طرح زمین میں ھیں - مگر وہ بھی اپنے رنگ کی ھیں -

مقطعوں میں میر شاگرد کا اکثر ذکر کرتے ھیں -

میرزا نے تقریباً ستر (۷۰) برس کی عمر پائی سنہ ۱۱۹۵ ھ میں دنیا سے انتقال کیا - اور آقا باقر کے امام باڑے میں دفن ہوئے - مصحفی نے تاریخ کہی - ع

سودا کجا و آں سخن دلفریب او

میرزا کے بہتر خنجر تلاش کرنے سے پیشتر اُن کے قصیدوں اور ہجوں کا رنگ بھی دیکھہ لینا چاہئے جس کے وہ مرد میدان ہیں اور اس میں کوئی اُن کا حریف نہیں -

شیخ غلام علی راسخ

شیخ غلام علی راسخ عظیم آباد پٹنہ کے رہنے والے ہیں - میر تقی میرے مشق سخن کی ہے - ان کے حالات پرانے تذکروں میں جو اس وقت پیش نظر ہیں نہیں ملتے - گلشن بیخار میں کچھہ معمولی سا ان کا ذکر ہے - اور چند اشعار ان کے درج ہیں - با وجودیکہ ان کا کلیات اچھی خاصی ضخامت رکھتا ہے -

کلیات میں بہت سے قصیدے ہیں - غزلوں کا دیوان

و خروش سے لبریز نظم کي هر فرع میں طبع آزمائي کي هے - اور کہیں رکے نہیں - چند صفتیں خاص هیں۔ جن سے کلام اُن کا جملہ شعرا سے ممتاز معلوم هوتا هے - اول یہ کہ زبان پر حاکمانہ قدرت رکھتے هیں ' کلام کا زور مضمون کي نزاکت سے ایسا دست و گریبان هے ' جیسے آگ کے شعلے میں گرمي اور روشني ' بندش کي چستي اور ترکیب کي درستي سے لفظوں کو اس دروبست کے ساتھ پہلو بہ پہلو جڑتے هیں - گویا ولایتي طپنچہ کي چانپیں جڑي هیں ' اور یہ خاص اُنکا حصہ هے ' چنانچہ جب اُن شعر میں سے کچھہ بھول جائیں تو جب تک وهي لفظ وهاں نہ رکھے جائیں شعر مزا هي نہیں دیتا - خیالات نازک اور مضامین تازہ باندھتے هیں - مگر اس باریک نقاشي پر اُن کي فصاحت آئینہ کا کام دیتي هے - تشبیہ اور استعارے ان کے هاں هیں ' مگر اسي قدر کہ جتنا کھانے نمک یا گلاب کے پھول پر رنگ - رنگیني کے پردہ میں مطلب اصلي کو گم نہیں هونے دیتے -

کلیات ان کا هر جگه مل سکتا هے - اول اردو کے قصائد هیں - پھر چوبیس (۲۴) چھوٹی چھوٹي مثنویاں هیں - ایک مختصر دیوان فارسي کا' ایک تمام و کمال دیوان ریختہ کا' جس میں بہت سي غزلیں' مطلع' رباعیاں' قطعات' مستزاد' تاریخیں' پہیلیاں' ترجیع بند مخمس' اور هر قسم کي نظم میں هجویں هیں -

عبرۃ الغافلین نام ایک رساله هے' بڑي کاوش اور تحقیق سے لکھا هے' میرزا فاخر مکین کے اعتراضوں کا جواب جو انھوں نے فارسي کے شعراے سلف پر کئے تھے اور اُن کے کلام میں دخل بیجا کیا تھا - اور خود میرزا فاخر کے کلام پر اعتراض کرکے اُسے ناقص ٹھہرایا هے -

آزاد نے سچ کہا هے که میرزا اس فن میں استاد مسلم الثبوت تھے - وہ ایسي طبیعت لیکر آئے تھے جو شعر اور فن انشا هي کے واسطے پیدا هوئي تھي . . . . اُن کا کلام کہتا هے که دل کا کنول هر وقت کھلا رهتا تھا - اس پر سب رنگوں میں همرنگ اور هر رنگ میں اپني ترنگ - جب دیکھو طبیعت شورش سے بھري اور خوش

میرزا تمہاري وہ رباعي اب تک میرے دل پر نقش ہے' یہ بپاس وضعداري پھر دربار نہ گئي' - یہ سب افسانہ ہے' شجاع الدولہ فیض آباد میں رہتے تھے' لکھنؤ کي اُس وقت ایک قصبہ سے زیادہ حیثیت نہ تھي' یہ بھي غلط ہے کہ دلي سے براہ راست یہاں آئے' یہ بھي غلط ہے کہ سودا ایک بار کے سوا پھر دربار نہیں گئے' شجاع الدولہ جب تک جیتے رہے یہ اُن کي ملازمت میں رہے' اُن کے کلیات میں متعدد قصیدے شجاع الدولہ کي تعریف میں موجود ہیں - مصحفي اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں " ہر کہ میرفت عزت و حرمت تمام مي یافت - نواب مرحوم مغفور نیز بودن او را در سرکار خود بسیار غنیمت می دانستند" -

آزاد نے دلي کے قدردانوں میں بسنت خان کے ساتھہ مہربان خان کا نام بھي لیا ہے' وہاں بھي کوئي مہربان خان ہوں تو مجھے اِس سے کچھہ بحث نہیں' مگر کلیات میں جہاں جہاں مہربان خان کا نام آیا ہے' اس سے مراد مہربان خان رند ہیں' جو فرخ آباد میں دیوان تھے -

جو نکلتا ' اُس کي پہلي منزل فرخ آباد ہوتي تھي '
یہ بھي براہ راست فرخ آباد آئے - اور مہربان خان
کي مہرباني سے چند سال تک اطمینان و فراغت سے
زندگي بسر کي -

سنہ ۱۱۸۵ ھ میں نواب احمد خان کا انتقال ہوگیا
یہ برداشتہ خاطر ہوکر فیض آباد چلے آئے - اسوقت
ان کا سن ساٹھہ برس کا ہو چکا تھا - نواب شجاع الدولہ
بر سر حکومت تھے - وہ بہت اعزاز سے ملے اور اُن
کي تنخواہ مقرر کردي -

شجاع الدولہ کے بعد نواب آصف الدولہ مسند نشیں
ہوئے ' ان کا فیض آباد میں جي نہیں لگا ' اپني
ماں بہو بیگم کي روک ٹوک سے گھبرا کر لکھنؤ
چلے آئے - اور اس کو مرکز حکومت قرار دیا میرزا
رفیع بھي لکھنؤ آرہے ' اور جب تک جیتے رہے ' نواب
اور اہل لکھنؤ کي قدرداني سے فارغ البال رہے -

آزاد کہتے ہیں کہ " سنہ ۱۱۸۵ ھ میں لکھنؤ پہونچے
نواب شجاع الدولہ نے بے تکلفي سے یا طنز سے کہا کہ

خاک دامنگیر هوئي - یهیں کے هو رهے - میرزا رفیع سنه ۱۱۲۵ھ میں پیدا هوئے دلي میں تربیت اور پرورش پائي - اول سلیمان قلي خان وداد کے پهر شاہ حاتم کے شاگرد هوئے - طبیعت شعر و سخن کے مناسب تهي - کثرتِ مشق نے اُس میں جلا دے دي ' اُستاد کي زندگي هي میں اُن کي استادي کو خاص و عام نے مان لیا ' اور اُن کي غزلیں گهر گهر هر ایک کي زبان پر چڑهه گئیں ' شاہ عالم بادشاہ اپنا کلام اصلاح کے لئے اُن کو دینے لگے ' اور دلي جیسے شهر میں ان کے فضل و کمال کو سب لوگوں نے مان لیا -

یه بهي جب تک هو سکا دلي سے باهر نهیں نکلے ' شاہ عالم کا جب کهیل بگڑا - اور بسر اوقات کا کوئي ذریعه نه رها تو بادل ناخواسته نکلے فرخ آباد میں نواب احمد خان غالب جنگ بر سر حکومت تهے ' مهربان خان رند ' ان کا دیوان تها ' وہ خود شاعر اور شاعروں کا قدرداں تها ' اُس زمانه میں دلي سے

هردلعزیزي اتني بڑهه گئي تهي که علماء کو اسي زبان میں مذهبي کتابوں کے لکهنے کا خیال پیدا هوگیا اور حضرت شاه عبد القادر علیه الرحمه نے سنه ۱۲۲۲ ه میں قرآن شریف کا اردو میں بامحاوره ترجمه کیا اور ان کے بهائي شاه رفیع الدین رح نے تحت اللفظ ترجمه لکها - اور ان کے بهتیجے مولانا محمد اِسمٰعیل رح نے اپني کتاب روالاشراک کے باب اول کا ترجمه اردو میں تقویة الایمان کے نام سے کیا - اور انصاف یه هے - که شاه عبد القادر رحمة الله علیه کا موضح القرآن اور مولنا محمد اسمٰعیل کي تقویة الایمان زبان کي صفائي اور سادگي میں ابتک بے نظیر هیں - ان بزرگوں کے با برکت هاتهوں کے لگ جانے سے اردو زبان کا سکه هندوستان میں اس سرے سے اُس سرے تک رائج هو گیا -

میرزا محمد رفیع سودا کے والد میرزا محمد شفیع میرزایان کابل سے تهے ' بزرگون کا پیشه سپهگري تها میرزا شفیع بطریق تجارت هندوستان آئے هند کي

کے نام سے **بارہ ماسہ** تصنیف کیا جسمیں ہندو مسلمانوں کے تیوہاروں ذکر ہے -

اکرام علي نے **رسائل اخوان الصفا** میں سے ایک رسالہ کا ترجمہ **اخوان الصفا** کے نام سے کیا ہے - اس میں انسان و حیوانات کا جھگڑا بیان کیا ہے جو شاہ اجنّہ کے سامنے پیش ہوا ہے - اصل کتاب عربي زبان میں ہے -

سري لالو گجراتي نے **پریم ساگر** - **رانج منتي** اور **لطائف ہندي** ترجمہ یا تالیف کیں - اور **کاظم علي** جوان کي مدد سے **سنگھاسن بتیسي** لکھي جو آدھي ہندي اور آدھي اردو ہے -

مظہر علي ولا نے **بیتال پچیسي** لکھي جو مضمون اور زبان کے لحاظ سے سنگھاسن بتیسي کے مانند ہے اور خود ڈاکٹر جان **گلگریت** نے اردو زبان کے قواعد قلمبند کئے اور اردو زبان کي لغت لکھي[1] -

معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں اردو زبان کي

---

(۱) مقدمہ گلشن ہند -

ماخذ **امیر خسرو** کی **چہار درویش** نہیں بلکہ **نوطرز مرصع** ہے - یہ کتاب اُس زبان کا اعلیٰ نمونہ ہے - جو انیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں **دلی** میں بولی جاتی تھی - ایک دوسری کتاب **گنج خوبی** کے نام سے لکھی جسکی **اخلاق محسنی** کا ترجمہ کہویا اُسی طرز کی ایک کتاب سمجھو -

مولوی **حفیظ الدین** پروفیسر **فورٹ ولیم کالج** نے **ابوالفضل** کی **عیار دانش** کا ترجمہ کیا اور **خرد افروز** اُس کا نام رکھا - اس کتاب کا بھی اصل ماخذ سنسکرت ہے - جو عربی میں **کلیلہ دمنہ** کے نام سے مشہور ہے -

میر شیر علی افسوس نے **شیخ سعدی** کی **گلستان** کا ترجمہ کرکے **باغ اردو** نام رکھا - اور ایک کتاب **آرایش محفل** لکھی جسمیں **ہندوستان** کے مختلف حالات درج ہیں - اور **لالہ سبحان رائے** کی **خلاصۃ التواریخ** سے ماخوذ ہیں -

کاظم علی جوان نے **شکنتلا** کا قصہ لکھا - جو برج بھاشا کی کسی کتاب سے ماخوذ ہے - اور **دستور ہند**

اردو زبان کو وسعت اور ترقي دينے کے لئے قصوں اور کہانيوں کي کتابيں اردو ميں لکھوائي گئيں -

سيد حيدر بخش نے **طوطا کہاني** لکھي جسميں ابن نشاطي کي **طوطي نامہ** کو اپنے زمانہ کے اردو زبان کا جامہ پہنايا هے - اصل ميں اس کا ماخذ سنسکرت کي ايک کتاب هے - ايک کتاب **گل مغفرت** يا وہ مجلس اولياء الله کے حالات ميں لکھي **بہار دانش** کا ترجمہ کرکے **گلزار دانش** نام رکھا - ايک اور کتاب **تاريخ نادري** لکھي جو کسي فارسي کتاب کا ترجمہ هے **آرايش محفل** کے نام سے ايک کتاب لکھي جسميں **حاتم طائي** کا قصہ بيان کيا هے -

مير بہادر علي حسيني نے **مير حسن** کي مثنوي **سحر البيان** کو نثر ميں لکھا - اور اس کا نام **نثر بے نظير** رکھا - اور ايک کتاب **اخلاق هندي** کے نام سے لکھي جو فارسي کي **مفرح القلوب** کا ترجمہ هے اور اسکا ماخذ سنسکرت کي کوئي کتاب هے -

مير امن دهلوي نے **باغ و بہار** آراستہ کيا - اس کا

اتاوہ نے **چاردرویش** کا قصہ **امیرخسرو** کي کتاب سے اردو میں ترجمہ کرکے **نوطرزمرصع** نام رکھا سنہ ۱۲۱۳ ھ میں تصنیف و ترجمہ سے فراغت پائي - اِس کتاب کے نام سے بھي اِس بات کا پہلو نکلتا ہے کہ اس زمانہ میں بھي یہ نیا طرز سمجھا جاتا تھا -

سنہ ۱۲۱۵ ھ میں **مرزا علي لطف** نے **گلزار ابراہیم** مصنفہ **مرزا علي ابراھیم** خان بہاري کا ترجمہ اردو مسٹر **گلگرسٹ** کي فرمایش سے کیا اور **گلشن ھند** نام رکھا اس تذکرہ کو مولوي **عبد الله خان** نے چھپوا کر **حیدرآباد** سے شایع کردیا ہے -

یہ وہ زمانہ ہے کہ کلکتہ میں حکام کو اپنے مصالح ملکي کي لحاظ سے اس بات کي ضرورت محسوس ھوئي کہ انگریز ولایت سے تازہ وارد ھوتے ھیں ان کو اردو زبان سکھائي جائے - اردو میں اس وقت تک ایسي کتابیں موجود نہ تھیں - اس لئے ڈاکٹر جان **گلگرسٹ** کے زیر اِھتمام اس کام کو شروع کیا گیا -

دلي اور **لکھنؤ** سے زبان‌داں مجتمع کئے گئے - اور

تامل و تدبر میں سرگشتہ ہوا - لیکن راہ مقصود کي نپائي - ناگاہ عنایت الٰہي دل افگار پر اضطرار میں آیا بات آئینہ خاطر میں منہ دکھائي ''

اس تصنیف کے چند دنوں بعد **میر محمد حسین** دہلوي کلیم تخلص نے **احمد شاہ** بادشاہ **ولي** کے زمانے میں **فصوص الحکم** کا اردو میں ترجمہ کیا - اور ایک اردو نثر میں لکھي - جس کي نسبت **میرحسن** تذکرہ **شعراء** میں فرماتے ہیں کہ '' در ہندي نثر کتابے ایجاد کردہ '' معلوم ہوتا ہے کہ اردو میں نثر نویسي کا اس وقت تک رواج نہیں ہوا تھا اسي وجہ ہے **میرحسن** اس کو ایجاد سے تعبیر کرتے ہیں - ایک فقرہ بطور نمونہ کے **میرحسن** نے پیش کیا ہے - **احمد شاہ** کو معزول کرنے کے ذکر میں کلیم نے لکھا ہے -

کل کے دن تھے بادشاہ اور وزیر - دن اندھے ہو بیٹھے بصیر - ایسي دولت سے زینہار زینہار فاعتبروا یا اولی الابصار

تھوڑے دنوں بعد **میرعطا حسین** تحسین باشندۂ

کہا ہاتف نے یوں تاریخ معقول

ولي کا ھے سخن حق پاس مقبول

فضلي نے جب وہ مجلس لکھي ھے اس وقت ولي زندہ تھے لوگوں نے سمجھا کہ فضلي نے ولي کي مثنوي کو نثر کا جامہ پہنا دیا ھے مگر وہ مجلس کے دیباچہ کي عبارت سے معلوم ھوتا ھے کہ اس نے کسي فارسي کتاب کا ترجمہ کیا ھے - یہ بھي اس سے معلوم ھوتا ھے کہ اس سے پہلے کسي نے نثر میں کوئي کتاب نہیں لکھي - یا لکھي ھو فضلي کي نظر سے نہ گذري ھو - نمونہ اس کي عبارت کا ملاحظہ ھو -

"پھر دل میں گذرا کہ ایسے کام کو عقل چاھئے کامل اور مدد کسو طرف کي ھووے شامل کیونکہ بے تائید صمدي اور بے مدد جناب احدي یہ مشکل صورت پذیر نہ ھووے اور گوھرمراد رشتہ امید نہ آوے لہذا کوئي اس صنعت کا نہیں ھوا مخترع اور اب تک ترجمہ فارسي بعبارت ھندي نہیں ھوا مستمع - پس اس اندیشۂ عمیق میں غوطہ کھایا اور بیابان

انتخاب از گل رعنا

مصنفۂ

مولانا حکیم سید عبد الحی صاحب مرحوم

اردو نثر کی تاریخ

زیادہ چھان بین کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فضلی شاعر نے سنہ ۱۱۴۵ ھ میں وہ مجلس کے نام سے ایک کتاب نثر اردو میں لکھی ہے - اور اس کا بیان ہے کہ اردو نثر میں یہ پہلی کتاب ہے -

سنہ ۱۱۴۱ھ میں شمس ولی اللہ نے ایک مثنوی شہدائے کربلا کے حالات میں لکھی تھی جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں -

ہوا ہے ختم جب یوں درد کا حال
تھا گیارہ سو پہ اکتالیسواں سال

یہ ضروري ھے کہ چھہ مہینے سے پہلے اپنے اپنے جزیروں میں واپس آجائیں ورنہ فوراً مر جائیں گے - اگر کوئي شخص اس مقررہ میعاد کے بعد ایک دن بھي دوسرے جزیرے میں شہر جاتا ھے تو فوراً مرجاتا ھے -

یہاں سے روانہ ھوکے پانچ روز میں عدن پہونچا جو نہایت با رونق شہر ھے اور جس میں بڑي بڑي عمارتیں ھیں - یہاں سے سات روز جہاز میں چلنے کے بعد بندرگاہ باھورہ پہونچا - اور وھاں سے ایک مہینے کے سفر کے بعد بحیرہ قلزم کے ایک بندرگاہ جدے میں آیا اور وھاں سے دو ماہ کے بعد کوہ سینا کے قریب لنگر انداز ھوا -

یہاں سے میں خشکي کے راستے روانہ ھوا اور ریگیستان میں ھوتا ھوا مصر کے شہر قاھرہ میں آیا - جہاں میري بي بي اور دو بچوں نے انتقال کیا - آخر اتنا بڑا دریا اور خشکي کا سفر کرکے پچیس سال بعد میں اپنے وطن شہر ریذس میں پہونچ گیا -

پر بسر کرتے هیں - یہاں وحشي چو پائے بہت زیادہ هیں - اُن کي گردن پر گھوڑوں کي طرح ایال هوتي هے - لیکن اُنکے بال زیادہ لمبے هوتے هیں اور سینگ اتنے بڑے هوتے هیں کہ جب وہ اپنا سر پیچھے کي جانب موڑتے هیں تو سینگ دم تک پہونچ جاتے هیں - سفر میں لوگ ان سینگوں میں پاني بھر کے ساتھہ لے جاتے هیں -

یہاں سے میں جزیرۂ **سقوطرہ** میں آیا جو مغرب کي جانب هے اور بر اعظم سے ایک سو میل کے فاصلے پر واقع هے - میں یہاں دو مہینے رہا - یہ چھہ سو میل کے رقبے میں هے اور یہاں زیادہ تر نسطوري عیسائی آباد هیں -

اس جزیرے کے قریب پانچ میل کے فاصلے پر دو اور جزیرے هیں جن کا فاصلہ ایک دوسرے سے سو میل سے زیادہ نہیں - ان میں سے ایک جزیرے میں مرد رهتے هیں اور دوسرے میں عورتیں - کبھي کبھي مرد عورتوں کے جزیرے میں چلے جاتے هیں اور کبھي عورتیں مردوں والے جزیرے میں آجاتي هیں - لیکن

کرتے هیں - روشني دیکهه کے بهت سي مچهلیاں وهاں جمع هو جاتي هیں - اور یه وحشي لوگ جو پاني کے اندر چهپ رهتے هیں اُنهیں پکڑ کے کها لیتے هیں - اُس ملک میں بهي وه تمام میوے پیدا هوتے هیں جو کوئلن میں پائے جاتے هیں -

یہاں سے روانه هو کے اور مختلف مقامات میں هوتا هوا میں کالي کٹ آیا جو ایک بندرگاه هے اور آٹهه میل کے رقبے میں آباد هے - هندوستان کا یه بڑا تجارتي شهر هے یہاں مرچ - لاکهه - سونٹهه - دارچیني اور هڑ وغیره چیزیں پیدا هوتي هیں -

کالي کٹ سے چل کے پندره روز میں شهر کهمبات پهونچا - جو سمندر کے کنارے باره میل کے رقبے میں آباد هے - یہاں لاکهه - هڑ - سن - اور ریشم پیدا هوتا هے - یہاں برهمن آباد هیں جو پوجاري کهلاتے هیں - یه فقط ایک شادي کرتے هیں - اور وه بیوي اُنکے مرنے پر زنده جلادي جاتي هے - یه برهمن کسي قسم کا گوشت نهیں کهاتے فقط چانول - دوده اور ترکاریوں

نام کاچي هے - یہاں ایک اور پھل هوتا هے جسے
آم کہتے هیں - اسکي شکل سبز نارینگي کي ایسي
هوتي هے لیکن اس سے چھوٹا هوتا هے اوپر کا چھلکا بد
مزہ هوتا هے لیکن اندر کا حصہ شہد کے مانند شیرین
هوتا هے - پکنے سے پہلے یہ پھل درخت سے توڑ لیے
جاتے هیں اور ان کي تیزي دور کرنے کے لیے پاني
میں ڈال دیتے هیں -

کوئلن سے روانہ هوکے تین دن کے بعد میں شہر
کوچن پہونچا - یہ شہر پانچ میل کے رقبے میں آباد
هے اور ایک ندي کے دهانے پر واقع هے - چند روز
میں اس ندي کے اوپر سیر کرنے گیا - ایک رات کو
میں نے دیکھا کہ ندي کے کنارے اکثر مقامات پر آگ
روشن هے - میں نے خیال کیا کہ ماهي گیروں نے جلائي
هوگي - لیکن لوگوں نے بتایا کہ یہ عجیب الخلقت
لوگ هیں جو پاني کے اندر رها کرتے هیں - رات کے
وقت وہ کناروں پر نکلتے هیں اور لکڑیاں جمع کرکے
اور دو پتھروں کو رگڑ کے آگ نکالتے اور اسے روشن

ہوتے ہیں - لیکن اتنے بڑے کہ ایک آدمي مشکل سے
اٹھا سکتا ہے - اس کا چھلکا سخت اور سبز رنگ کا
ہوتا ہے اسکے اندر دو سو سے تین سو تک پھل نکلتے
ہیں - جو انگور کي طرح شیریں اور نہایت خوش
ذائقہ ہوتے ہیں - ہر پھل علحدہ علحدہ جھلّي میں
ہوتا ہے - جھلّیوں میں اِن پھلوں کے علاوہ ایک قسم
کا سخت گودا نکلتا ہے جو مزے اور سختي میں شاہ
بلوط کے پھل کے مانند ہوتا ہے اور اسي طرح پکایا
جاتا ہے - اگر بغیر گرم کیے انگاروں پر رکھہ دیا جائے
تو بڑي آواز ہوتي ہے - اوپر کا چھلکا مویشیوں کو دے
دیا جاتا ہے - اس درخت کے پھل اکثر زمین کے اندر
جڑوں تک میں نکلتے ہیں - وہ مزے میں بہترین
ہوتے ہیں - لہذا عام لوگوں کو نہیں دیئے جاتے بلکہ
بادشاہ کے لیے محفوظ رکیے جاتے ہیں - اِس کا درخت
انجیر کے درخت کا ایسا ہوتا ہے - اور اسکے پتے
کھجور کے مانند ہوتے ہیں - اسکي لکڑي کے صندوق
بناتے ہیں اور بہت قیمتی ہوتي ہے - اس درخت کا

اُسے کھاتے ھیں اور اُس کا گوشت بہترین قسم کي غذاؤں میں شمار کیا جاتا ھے -

یہیں ایک اور قسم کے بھي سانپ ھیں جو ایک ھاتھہ لمبے ھوتے ھیں - اور چمگادڑوں کي طرح انکے بازو ھوتے ھیں - انکے سات سر ھوتے ھیں اور ھمیشه درختوں پر رھا کرتے ھیں - وہ بہت تیز اُڑتے ھیں اور نہایت زھریلے سانپ ھیں - بلکه کہا جاتا ھے نه ایک سانس میں وہ آدمي کا خاتمه کر دیتے ھیں -

یہاں پردار بلیاں ھوتي ھیں - انکے اگلے اور پچھلے پیروں کے بیچ میں جھلي ھوتي ھے جو انکے جسم سے لگي رھتي ھے - اور جب وہ بیٹھتي ھیں تو سمٹ جاتي ھے - وہ اپنے پیر پھیلا کے اور بازؤں کو ھلا کے ایک درخت سے دوسرے درخت پر اُڑ جاتي ھیں شکاري جب ان کا تعاقب کرتے ھیں تو وہ اُڑتے اُڑتے تھک جاتي ھیں - پھر زمین پر گر پڑتي ھیں اور لوگ انھیں پکڑ لیتے ھیں - یہاں ایک درخت نہایت کثرت سے پیدا ھوتا ھے جس کے تنے میں انناس کے ایسے پھل

گوشت نہیں کھایا جاتا لیکن اسکی دم اور کھال بہت قیمتی ہوتی ہے - لوگ اسے اپنی ٹوپیوں میں لگاتے ہیں -

میں نے **جاوا** میں ضروری سامان تجارت خریدا اور مغرب کی جانب جہاز پر روانہ ہوکے بندرگاہ **سباسپا** میں آیا جہاں **عود** - **کافور** - اور **سونا** پیدا ہوتا ہے - اس سفر میں ایک مہینہ صرف ہوا - پھر میں وہاں سے روانہ ہوکے بندرگاہ **کوئلن** پہونچا - اس ملک کو لوگ **ملابار** کہتے ہیں - یہاں **سونٹھہ** - **مرچ** اور **دارچینی** پیدا ہوتی ہے - یہاں ایک قسم کے سانپ ہیں جو چھہ گز لمبے ہوتے ہیں اور جنگل میں رہتے ہیں - لیکن جب تک انہیں کوئی نہ ستائے کسی کو نہیں کاٹتے - وہ بچوں کو دیکھہ کے خوش ہوتے ہیں - لہذا بچوں کو دیکھتے ہوے وہ آبادی میں آجاتے ہیں - یہاں ایک اور قسم کا سانپ بھی ہوتا ہے جسکے چار پیر ہوتے ہیں اور کتے کی طرح لمبی دم ہوتی ہے - یہ کسی کو نہیں ستاتے لیکن لوگ

آزمانے کے لئے جو شخص پہلے سامنے آجاتا ہے اسکے جسم میں بھونکدیتا ہے - اور اگر وہ شخص مرجائے تو اُسے کوئي سزا نہیں دي جاتي - راستہ چلنے والے اسکے زخم کو دیکھہ کے اس شخص کی تعریف کرتے ہیں جس نے اس طرح سیدھي تلوار بھونک دي - یہاں ہر شخص جتني بیبیاں چاہے رکھہ سکتا ہے -

یہاں کے لوگوں کي سب سے زیادہ دلچسپي مرغوں کي لڑائی میں ہوتي ہے - مختلف لوگ اپنے اپنے مرغ لاتے ہیں - اور ہر شخص کا دعویٰ ہوتا ہے کہ ہمارا مرغ جیتے گا - جولوگ لڑائي کا تماشا دیکھنے آتے ہیں اسپر بازي لگاتے ہیں اور جو مرغ فتح پاتا ہے وہي ان کي بازي کا فیصلہ کرتا ہے -

جاوا کے بڑے جزیرے میں ایک نہایت خوبصورت چڑیا ہوتي ہے جو جنگلي کبوتر کے برابر ہوتي ہے لیکن اسکے پیر نہیں ہوتے - سر پر ایک کلغي ہوتي ہے اور دم لمبي اور گول ہوتي ہے - اکثر یہاں کے درختوں پر دیکھي جاتي ہے - اس چڑیا کا

(جو سارے سفر میں میرے همراہ تھے) یہاں نو مہینے رہا -

ان جزائر کے باشندے دنیا کی سب قوموں سے زیادہ بےرحم اور ظالم هیں - کتے - بلیاں - چوهے - اور ایسے هی ناپاک جانور کھاتے هیں - کسی آدمی کو مار ڈالنا انکے یہاں ایک مذاق هے - اور اس قتل کی انهیں کوئی سزا بهی نہیں دی جاتی - قرضدار کو پکڑکے قرضخواہ کے حوالے کردیا جاتا هے - اور وہ اسے اپنا غلام بنا لیتا هے - لیکن اگر وہ غلام بننے سے موت کو ترجیح دے تو ایک ننگی تلوار لے کے نکل پڑتا هے اور جو شخص اس کے سامنے آجاتا هے قتل کر ڈالتا هے - یہاں تک کہ کوئی اس سے زیادہ طاقتور مقابل مل جاتا هے جو اسے مار ڈالتا هے - اب قرضخواہ آکے اس شخص کو پکڑتا هے جس نے اسکے قرضدار کو قتل کیا هے اور اس سے اپنا روپیہ مانگتا هے - اور حاکم اس کا فیصلہ کرتے هیں -

اگر کوئی شخص ننگی تلوار مول لیتا هے تو اسے

کے ندي کے اوپر چلا - اور دس روز کے بعد ایک نہایت آباد شہر **پکونبا** میں ایا جو بارہ میل کے رقبے میں آباد ہے - یہاں چار مہینے تھہرا - ہندوستان میں فقط یہي ایک مقام ہے جہاں انگور پیدا ہوتا ہے - لیکن یہاں بھي بہت کم ہوتا ہے - لہذا لوگ اس کي شراب نہیں بناتے - یہاں **سیب - نارنگي - بلوط - خربوزے** - سفید سندل اور **کافور** پیدا ہوتا ہے - کافور ایک درخت کے اندر سے نکلتا ہے - اور اگر لوگ اسکي چھال نکالنے سے پہلے اپنے دیوتاؤں کے آگے قرباني نہ کرلیں تو کافور لکڑي کے اندر سے غائب ہو جاتا ہے -

ہندوستان میں دو جزیرے ہیں جو دنیا کے خاتمے پر واقع ہوے ہیں - دونوں کا نام **جاوا** ہے - ایک رقبہ تین ہزار میل ہے اور دوسرے کا دو ہزار میل - دونوں مشرق میں سمندر کے راستے میں ہیں - اور برعظم سے ایک مہینے کے سفر پر اور ایک دوسرے سے سو میل کے فاصلے پر واقع ہیں - میں اپني بیوي اور بچوں کے ساتھ

هر ایک کا دور چار میل هے - ان قلعوں میں هر قسم کا سامان جنگ اسلحه اور شهروں پر دهاوا کرنے کي کلین موجود رهتي هیں - قصر شاهي سے ان چاروں قلعوں کو سرنگیں گئي هیں جو اس خیال سے بنائي گئي هیں که اگر شهر والے بغاوت کریں تو بادشاه انکے اندر هی اندر جس قلعے میں چاهے چلا جائے - اس شهر سے پندره دن کے راستے پر ایک اور بڑا شهر هے جو اسي بادشاه نے تعمیر کرایا هے - وه تیس میل کے رقبے میں آباد هے اور نپ نائي کهلاتا هے - سب شهروں سے زیاده آباد هے - ان دونوں شهروں کے مکان اور بڑي عمارتیں اور رونق سب اٹلي کي ایسي هے - یهاں کے لوگ نهایت هوشیار اور شریف هیں اور سب ملکوں سے زیاده دولتمند هیں -

یهاں سے میں آوا واپس آیا اور ستره دن جهاز میں سفر کرکے ایک ندي (غالباً پیگو) کے دهانے پر پهونچا - یهاں ایک شهر آباد هے - میں اس میں نهیں ٹهرا - لیکن ایک دوسري کشتي میں بیٹهه

کي گردن میں بھي باندھہ دیتے ھیں تاکہ اس کے آگے لٹکتے رھیں - اور سینہ ان میں چھپا رھے - یہ بڑي عزت کي چیز خیال کي جاتي ھے - رسالے کے سوار ان بالوں کو اپنے نیزوں میں لگاتے ھیں اور شرافت کا نشان سمجھتے ھیں -

اس ملک کے آگے ایک صوبہ ھے جو دنیا کے سب ملکوں سے اچھا ھے - اس کا نام کبنتھا ھے[1] - اس ملک کے حاکم کو خان اعظم کہتے ھیں جسکے معنی شہنشاہ کے ھیں - اسکے دار السلطنت کا نام کمبلشبیا[2] (خان بالق) ھے - یہ شہر اتھائیس میل کے رقبے میں آباد ھے - اسکے درمیان میں ایک نہایت مضبوط قلعہ ھے اور اسي کے اندر بادشاہ کا محل ھے - یہ شہر ایک مربع رقبے میں آباد ھوا ھے لہذا فصیل کے چاروں کونوں پر چار مدور قلعے تعمیر کیے گئے ھیں جن میں سے

---

(۱) چین کا جنوبي حصہ - لیکن اب اُسکے حدود کا اندازہ کرنا غیر ممکن ھے -

(۲) پیکن کا قدیم نام خان بالق تھا -

گینڈے کي طرح ایک چھوٹا سینگ ہوتا ہے - رنگ اور قد و قامت میں وہ ہاتھي کے برابر ہوتا ہے - اور ہمیشہ ہاتھي سے لڑا کرتا ہے - کہا جاتا ہے کہ اسکا سینگ ہر قسم کے زہر کا علاج ہے - اور اسي وجہ سے لوگ اسکي بڑي قدر کرتے ہیں -

اس ملک کے اندروني حصے میں سیاہ اور سفید بیل پیدا ہوتے ہیں - اور وہ بیل نہایت قیمتي سمجھے جاتے ہیں جن کي دمیں گھوڑے کي طرح گھني اور لمبے بالوں کي ہوں - لیکن گھوڑوں سے زیادہ لمبي اور پیروں تک نیچي ہوں - انکي دموں کے بال بہت باریک - ہلکے اور نرم ہوتے ہیں - اور اپنے وزن کے برابر چاندي کے معاوضے میں فروخت ہوتے ہیں - ان بالوں کے پنکھے اور چونریاں بنائي جاتي ہیں جو دیوتاؤں اور بادشاہوں کے جھلي جاتي ہیں -

ان بیلوں کي دموں کے بال معزز اور امیر لوگ اپنے گھوڑوں کي دمچیوں میں لگا دیتے ہیں تاکہ گھوڑے کا پچھیلا حصہ ان میں چھپا رہے - اور گھوڑے

اس ملک میں ایک قسم کا سیب پیدا ہوتا ہے جو انار کی شکل کا ہوتا ہے اور اس میں نہایت شیرین عرق بھرا ہوتا ہے - ایک درخت ہوتا ہے جو تال (تاڑ) کہلاتا ہے - اس کے پتے بہت بڑے ہوتے ہیں - اور اسي پر لوگ لکھتے ہیں - کیونکہ سارے ہندوستان میں سوا کھمبات کے اور کسي جگہ کاغذ کا رواج نہیں ہے - اس درخت میں چقندر کے مانند ایک پھل بھي ہوتا ہے - اس کے اندر جو عرق ہوتا ہے چند روز بعد جم جاتا ہے اور کھانے میں بڑے مزے کا ہوتا ہے -

اس ملک میں نہایت خوفناک سانپ پیدا ہوتے ہیں جن کے پیر نہیں ہوتے لیکن انسان کے برابر موتے اور چھہ گز لمبے ہوتے ہیں - یہاں کے باشندے انھیں آگ میں بھون کے کھاتے ہیں - اور اسے نہایت پر تکلف غذا خیال کرتے ہیں - اسکے سوا وہ کیکڑوں کو بھي نمک مرچ میں بھون کے کھا جاتے ہیں -

یہاں ایک جانور ہوتا ہے جس کا سر سور کے مانند ہوتا ہے - دم بیل کی سي ہوتي ہے - اور پشیاني پر

گھانس کھاتے ہیں - پالو ہاتھي کو فقط ایک آدمي ایک جگہ سے دوسري جگہ لیجاتا ہے اُس کے سر پر بیٹھہ کے ایک آہني آنکس کے ذریعے سے چلاتا ہے - یہ جانور اس قدر ہوشیار اور عقلمند ہوتا ہے کہ میدان جنگ میں دشمن کے تیروں اور برچھوں کو وہ اپنے پیر کے تلووں پر روک لیتا ہے تاکہ اُن لوگوں کو نقصان نہ پہونچے جو اُس کي پیٹھہ پر سوار ہیں - اس ملک کا بادشاہ ایک سفید ہاتھي پر سوار ہوتا ہے اور اُسکي گردن میں سونے کي زنجیر پڑي ہے جس میں قیمتي جواہرات جڑے ہیں - وہ اُس کے پیروں تک لٹکتي رہتي ہے -

یہاں کے مرد ایک ہي بي‌بي رکھتے ہیں - اور سب مرد اور عورتیں اپنے گوشت میں سوئیوں سے سوراخ کرکے ایسا رنگ بھروتے ہیں جو کبھي زائل نہیں ہوتا - لوگوں کا مذہب بت پرستي ہے - لیکن جب سوکے اٹھتے ہیں تو مشرق کي طرف منہ کرکے اور دونوں ہاتھہ جوڑ کے کہتے ہیں " خدا کي تثلیث اور اس کي شریعت ہمیں محفوظ رکھے " -

کے پیر مضبوط جکڑ دئے جاتے ہیں اور تیں چار دن اُسے وہیں باندھہ دیتے ہیں - فقط تھوڑي سي گھانس روزانہ دیدي جاتي ہے - اسي طرح پندرہ روز میں اُس کا جوش کم ہو جاتا ہے - اب وہ اُسے دو پالو ہاتھیوں کے بیچ میں باندھتے ہیں اور شہر کے اندر سڑکوں پر لیجاتے ہیں - غرض چند روز میں وہ اور ہاتھیوں کي طرح پالو ہو جاتا ہے -

لیکن بعض جگہ ہاتھیوں کو ایک اور طریقے سے پکڑتے اور پالو کرتے ہیں - وہ ہاتھیوں کو ایک ایسے مقام پر لے جاتے ہیں جو چاروں طرف سے محفوظ ہو - پھر پالو ہتھنیوں کو وہاں سے نکال دیتے ہیں اور ہاتھیوں فاقے دے دے کے پالو کر لیتے ہیں - چار روز بعد اُنھیں ایک تنگ مقام میں لیجاتے ہیں جو خاصکر اسي ضرورت سے بنایا جاتا ہے - اور وہاں اُنھیں سدھا لیتے ہیں - بادشاہ ان ہاتھیوں کو اپني ضرورتوں کے لئے خریدتے ہیں - پالو ہاتھیوں کو گھي اور چاول دئے جاتے ہیں - اور جنگلي ہاتھي درختوں کے پتے اور

اور خنجر لیکے بیٹھہ جاتے - یہ ھاتھی جنگل میں
رھتے ھیں - لیکن عام طور پر اس طرح پکڑے جاتے ھیں
کہ ایک خاص فصل میں پالو ھتھنی جنگل میں
چھوڑدی جاتی ھے جب ھاتھی اُسے دیکھہ لیتے ھیں
تو وہ آھستہ آھستہ چرتی ھوئی ایک احاطے کے اندر
آجاتی ھے جسکے گرد دیواریں ھوتی ھیں اور دو بڑے
پھاٹک لگے ھوتے ھیں - جب جنگلی ھاتھی اُسے اس
احاطے کے اندر دیکھتے ھیں تو وہ بھی ایک پھاٹک
سے اُس میں آجاتے ھیں - لیکن ھتھنی فوراً دوسرے
پھاٹک سے نکل جاتی ھے اور لوگ جو اُس کی نگرانی
کرتے رھتے ھیں دونوں پھاٹک مضبوط بند کر لیتے ھیں -
پھر بہت سے آدمی چھوٹے چھوٹے دروازوں سے اُس احاطے
میں آجاتے ھیں - اُن کے ھاتھہ میں نہایت مضبوط رسیاں
ھوتی ھیں جن میں پھندے بنے ھوتے ھیں - ایک
آدمی اس ھاتھی کے سامنے جاتا ھے اور جیسے ھی ھاتھی
اُسے مارنے کے لئے دوڑتا ھے اور لوگ پیچھے سے اُس کے
پیروں میں رسی کے پھندے ڈال دیتے ھیں - پھر اُس

بعد دریاے **اواکا** کے دھانے پر پہونچا - اور ندي میں
چھہ روز چلنے کے بعد ایک بہت بڑے شہر میں آیا جو
اسي ندي کے نام سے مشہور هے اور اسي کے کنارے آباد هے -

یہان سے چل کے میں ایسے ملک میں پہونچا جہان
آبادي کا نام و نشان بھي نہیں - سترہ دن پہاڑوں میں اور
پندرہ دن میدانوں میں سفر کرنے کے بعد میں ایک
اور ندي کے کنارے پہونچا جو گنگا سے بھي بڑي هے
اور لوگ اُسے **داوا** (اراردي) کہتے هیں - اس ندي
میں اوپر کي جانب ایک مہنه چلنے کے بعد میں
ایک شہر میں آیا جو اور سب شہروں سے بڑا هے اور
پندرہ میل کے رقبے میں آباد هے - اس شہر کا نام
آرا هے -

یہ ملک مسي **نوس** (سیام) کہلاتا هے - اور اس
میں هاتھي بہت زیادہ هیں - یہاں کے بادشاہ کے پاس
دس هزار هاتھي ایسے هیں جو لڑائي میں کام آتے هیں
قلعے (عماریاں) ان هاتیوں کي پیٹھہ پر باندھه دئے
جاتے هیں - جس میں آٹھه یا دس آدمي تیر کمان

هوتا هے - مگرمچهه اور مختلف قسم كي مچهليان جن سے هم نهيں واقف هيں اس ندي ميں موجود هيں ندي كے دونوں جانب نهايت خوشنما آباديان اور كهيت اور باغ هيں جن ميں هزاروں قسم كے ميوے پيدا هوتے هيں - ان ميں سب سے اچهے موز (كيلے) جو انگور كے ذائقے اور شهد سے زياده شيريں هيں - اور ناريل هيں -

يهان سے روانه هوكے ميں تين مهينے اسي ندي كے اوپر چلا گيا - اور چار بهت بڑے اور مشهور شهر راستے ميں چهوڑ ديئے - پهر ايک نهايت آباد شهر مارزيه (متهرا) ميں آترا - يهاں عود - سونا - چاندي جواهرات اور موتي پيدا هوتے هيں - يهاں سے ميں نے مشرق كي جانب پهاڑوں* كا راسته ليا جهاں كي نسبت سنا تها كه سنگ شب چراغ پيدا هوتا هے - وهاں كے سفر ميں تيره دن صرف هوے اور ميں پهر سرناؤ (كرونگر) واپس آيا - اور بضى تانيه (بردوان) گيا يهان سے روانه هو كے ايک مهينے كے دريائي سفر كے

نام کے دریا کے دھانے پر واقع ہے - اِس ملک میں
ھاتھي بہت سے ھیں - اور ایک خاص قسم کي چڑیاں
ھوتي ھیں -

یہاں سے روانہ ھو کے اور خشکي اور تري کا سفر
کرکے دریاے گنگا کے دھانے پر پہونچا - پھر ایک کشتي
میں پندرہ دن اسي دریا میں چڑھائي پر سفر کرکے
ایک بڑے اور مشہور شہر میں پہونچا جو سرناؤ
(کرونگر) کہلاتا ھے - یہ ندي اتني چوڑي ھے کہ
اس کے بیچوبیچ میں سے دونوں جانب کي زمین نہیں
نظر آتي - بعض مقامات پر اس کا عرض پندرہ میل
سے زیادہ ھے - اس ندي کے کنارے بہت اونچے بانس
پیدا ھوتے ھیں جو اس قدر موٹے ھوتے ھیں کہ اگر
کوئي شخص اپنے دونوں بازؤں کے دور میں لینا چاھے
تو نہیں لے سکتے - یہاں کے لوگ ان کي چھوٹي چھوٹي
کشتیاں بناتے ھیں - یہ ڈونگي اس ندي میں آمد
و رفت کے لئے بہت موزوں ھوتي ھے - بانس میں
ایک گرہ سے دوسري گرہ کا فاصلہ آدمي کے قد کے برابر

راکھہ میں ڈال کے دھوپ سے خشک کر لیتے ھیں - اس جزیرے میں ایک خاص قسم کا پھل ھوتا ھے اور کھیرے کے برابر ھوتا ھے جب اسے کاٹتے ھیں تو اس میں نارنگیوں کے سے گول پانچ پھل نکلتے ھیں اور ان کا مزہ پنیر کا ایسا ھوتا ھے -

اس جزیرے کے ایک حصے میں جو **بانش** کہلاتا ھے ایسي قوم آباد ھے جو مردم خوار ھے - یہ لوگ ھمیشہ قرب و جوار کے لوگوں سے لڑا کرتے ھیں - وہ اِنساني سروں کو بڑي قیمتي چیز سمجھتے ھیں - جب وہ کسي دشمن کو گرفتار کرتے ھیں تو اس کا سر کاٹ کے رکھہ لیتے ھیں اور بقیہ جسم کھا جاتے ھیں - جب انھیں کوئي چیز خریدنے کي ضرور ھوتي ھے تو روپے کے بجاے وھي سر دیدیتے ھیں - لھذا ان میں وہ شخص سب سے زیادہ مالدار سمجھا جاتا ھے جس کے گھر میں سب سے زیادہ سر ھوں -

اب میں اس جزیرے سے روانہ ھوا اور سولہ دن کے نہایت طولاني سفر کے بعد شہر **ننغاسرم** پھونچا جو اسي

کوئي جہاز اسکے ساحل پر نہیں ٹھہرتا - اور اگر طوفان کي وجہ سے وہاں جانا پڑا اور ان وحشیوں نے دیکھہ لیا تو فوراً آکے لوگوں کو پکڑ لے جاتے ہیں - اور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کرکے کھا لیتے ہیں - جزیرۂ سماترا چھہ ہزار میل کے رقبے میل ہے - وہاں کے لوگ ظالم اور وحشي ہیں - مردوں اور عورتوں کے کان بہت بڑے ہوتے ہیں - اور ان میں وہ بالیاں پہنتے ہیں جن میں قیمتي جواہر جڑے ہوتے ہیں - وہ سوتي اور ریشمي کپڑے پہنتے ہیں - جو گھٹنوں کے نیچے تک لٹکتے رہتے ہیں - مرد جتني بیبیاں چاہیں رکھہ سکتے ہیں - ان کے مکانات نہایت پست ہوتے ہیں اور فقط اس غرض سے بنائے جاتے ہیں کہ دھوپ کي شدت سے لوگوں کو بچائیں - یہاں کے لوگ سب بت پرست ہیں -

اس جزیرے میں مرچ اور کافور پیدا ہوتا ہے - اور کانوں میں سے سونا نکال جاتا ہے - مرچ کا درخت چھوٹا ہوتا ہے اور اس کے بیج سبز ہوتے جنھیں وہ لوگ

اس جزیرے میں ایک جھیل[1] ہے - اور اسکے بیچ میں ایک شہر آباد ہے جسکے ساحل کا دور تین میل ہے - ان جزیروں میں برہمنوں کي حکومت ہے جو دیگر لوگوں سے زیادہ قابل خیال کیے جاتے ھیں - برھمن بڑے فلسفہ دان ہوتے ھیں اور اپني ساري زندگي نجوم اور ھیئت کي فکروں میں بسر کر دیتے ھیں -

اس کے بعد جزیرۂ **تپ روبونا** کے ایک شہر میں گیا - اِس جزیرے کو وھاں کے باشندے **سماترا** کہتے ھیں - میں اِس شہر میں ایک سال رہا - یہ شہر چھہ میل کے رقبے میں آباد ہے اور بڑي تجارت کي جگھہ ہے - ایک اچھے موسم میں چند روز میں نے جہاز پر سیر کي اور جزیرۂ **انڈمانیہ** کو اپني داھني جانب چھوڑ دیا - یہ سونے کا جزیرہ کہلاتا ہے اور آٹھہ سو میل کے رقبے میں ہے - یہاں کے لوگ مردم‌خوار ھیں -

---

(۱) سیلون میں اب کوئي جھیل نہیں ہے اور نہ کوئي ایسے آثار پائے جاتے ھیں کہ اتني بڑي جھیل موجود ہو جس کے بیچ میں شہر آباد ہو -

شہر ہے جس کا نام کاھلکہ (کل کیر) ہے - یہاں سمندر
میں موتي پیدا ہوتے ہیں - اس شہر میں ایک درخت
ہوتا ہے جس میں پھل نہیں لگتے لیکن اس کا پتا
چھہ بالشت لمبا اور اسي قدر چوڑا ہوتا ہے اور اس
قدر پتلا کہ ایک شخص اسے دبا کے اپني مٹھي میں
بند کر لیتا ہے - یہاں کے لوگ ان پتوں پر لکھتے
ہیں اور بارش کے موسم میں اپنے سر پر ڈال لیتے ہیں
تاکہ کپڑے مینہ سے محفوظ رہیں - اس پتے کو پھیلا کے
تین چار آدمي بہ آساني اسکے نیچے چل سکتے ہیں -

اس خلیج کے بیچ میں ایک جزیرہ ہے جس کا نام
ضبلام (سیلون یعني سرانديپ) ہے - اس کے چاروں
طرف ساحل کي لمبائي تین ہزار میل ہے - اس میں
لال - یاقوت - نیلم - اور وہ قیمتي پتھر پیدا ہوتا
ہے جو رات کو روشني دیتا ہے -

یہاں دار چیني کثرت سے پیدا ہوتي ہے - اس کا درخت
ہمارے ملک کے بید کے مشابہ ہوتا ہے - لیکن اسکي شاخیں
اوپر کي جانب نہیں ہوتیں بلکہ چاروں طرف پھیلتي ہیں -

یا اس کے ساتھہ جل کے مر جائیں گي - اور یہ
ان کے لئے بڑي عزت کي بات خیال کي جاتي ہے -

مشہور شہر **پلاکندہ** (غالباً پناکندہ) اسی راجہ کے
علاقے میں شامل ہے - اور بیجانگر سے آٹھہ روز کي
مسافت پر واقع ہے - یہاں سے سفر کر کے میں بیس
دن چلتا رہا - اور ایک بندرگاہ میں آیا جس کا نام
پودي فتانیہ (غالباً ورما پٹم جو تلي چري کے قریب
ہے) ہے - راستے میں مجھے دو شہر ملے جن کا نام
رواگیري اور چندر گیري ہے پھر آگے بڑھہ کے ایک
اور بندرگاہ ملا جو **میلا پور** کہلاتا ہے اور دریاے سندھہ
کے بعد دوسرے خلیج میں واقع ہے - یہان ایک بڑے
اور خوشنما گرجے میں سینٹ تامس کي قبر ہے - اور
بے دین نسطوري فرقے کے لوگ اس کي پرستش کرتے
ہیں - اس شہر میں اُن کي تعداد ایک ہزار ہے -
یہ نسطوري سارے ہندوستان میں اُسي طرح پھیلے
ہوے ہیں جس طرح ہمارے ممالک میں یہودي ہیں -
یہ سارا علاقہ ملابار کہلاتا ہے - اس کے آگے ایک اور

پہونچا جو بلند چٹانوں کے دامن میں واقع ہے - یہ
شہر ساٹھہ میل کے رقبے مین آباد ہے - اِس کي فصیلیں
پہاڑوں کے اوپر تک چلي گئي ھیں - اور انکے دامن کي
وادیون کو اپنے آغوش میں لیے ھوے ھیں - اس وجه سے
اس شہر کي وسعت بہت زیادہ ھو گئي ہے - اس شہر
میں نوے ھزار جوان ایسے ھیں جو میدان جنگ میں
آ سکتے ھیں - یہان کے مردون کي کئي بیبیان ھوتي
ھیں - اور سب اپنے شوھر کے ساتھه جل کے مر جاتي
ھیں - ھندوستان کے بادشاھون میں یہان کا راجه سب
سے زیادہ طاقتور ہے - اسکي بارہ ھزار بیبیان ھیں -
جہان کہیں وہ جاتا ہے چار ھزار بیبیان پیدل ھمراہ
ھوتي ھیں اور باورچي خانے کا انتظام انھیں کے سپرد
ھوتا ہے - چار ھزار جو اچھے کپڑے پہنے ھوتي ھیں
گھوڑون پر سوار ھوکے ساتھه چلتي ھیں - اور باقي
پالکیون میں ھوتی ھیں جنھیں آدمي لے کے چلتے ھیں
انھیں میں دو تین ھزار ایسي منتخب بیبیان ھیں
جو اس شرط سے رکھي گئي ھیں کہ راجه کی موت پر

اور شہر **کھمبات** پہونچا - یہاں ایک قسم کا قیمتی پتھر پیدا ہوتا ہے جو رات کو روشنی دیتا ہے - یہاں کے لوگوں میں رواج ہے کہ جب شوہر مر جاتا ہے تو اس کی موت کو اہمیت دینے کے لئے اسکی وہ بیوی جو شوہر کو زیادہ عزیز ہوتی ہے اس کی لاش کے برابر لیت جاتی ہے اور اسکے گلے میں بانہیں ڈال کے ساتھہ جل جاتی ہے - اور جب چتا روشن ہو جاتی ہے تو دوسری بیبیاں بھی شعلون میں گھس پڑتی ہیں -

یہاں سے روانہ ہوکے میں بیس روز جہاز پر گذارے اور دو شہرون کے قریب پہونچا جو ساحل پر واقع ہیں - ان شہرون کے قریب سونٹھہ اور ادرک پیدا ہوتی ہے - یہ ایک چھوتے پودھے کی جڑ ہے جو دو بالشت اونچا ہے - اس کی جڑ کھود کے نکال لیتے ہیں اور راکھہ میں ڈال کے تین دن دھوپ میں پھیلا دیتے ہیں - اور وہ خشک ہوجاتی ہے -

یہاں سے روانہ ہو کے اور تقریباً تین سو میل اندرون ملک خشکی کا سفر کرکے میں بڑے شہر **بیجانگر**

پہونچا اور وہاں سے چار روز کے بعد **خلیج فارس** میں داخل هوا - اس سمندر میں بحر اٹلانٹک کي طرح مد و جزر هوتا هے - یہاں سے چار روز جہاز پر سفر بندرگاہ **قلقوس** میں اور وہاں سے جزیرۂ **هرمز** پہونچا جو ساحل سے بارہ میل کے فاصلے پر واقع هے - اس جزیرے سے میں هندوستان کي جانب روانه هوا اور سو میل چل کے ایک شہر میں آیا جو **کل کیبشیا** کہلاتا هے - اور ایران کا ایک بہت بڑا بندرگاہ هے - یہاں میں چند روز تهہر گیا - فارسي زبان سیکھي جس سے بعد میں بہت کام نکلا - یہیں سے میں نے عیسائیوں کا لباس اختیار کیا اور اپنے سارے سفر میں اسي کو پہنتا رہا - پھر چند ایراني تاجرون کے ساتھه میں نے ایک جہاز کرایے پر لیا - اور آپس میں قول و قرار کرکے که ایک دوسرے کے ساتھه ایمانداري اور راستبازي سے پیش آئیں گے روانه هو گیا -

اس طرح ایک مہینه سفر کرکے اور دریاے سندھه کے دهانے سے گذر کے میں ایک خلیج میں داخل هوا

لیکن ہم سے کچھہ نہ بولے - بعض تجربہ کار تاجرون نے
جو ایسے واقعات پہلے دیکھہ چکے تہے کہا کہ " یہ جن ھین
اور اس میدان مین اکثر اسي طرح نظر آیا کرتے ھیں - "

دریائے دجلہ کے کنارے ایک بہت بڑا شہر ھے
جس مین قدیم شہر بابل کا بھي ایک حصہ آگیا ھے -
یہ شہر چودہ میل کے رقبے میں آباد ھے - اسے وہان
کے لوگ **بلدوشیا** (بغداد) کہتے ھیں - دریائے دجلہ
اس شہر کے بیچ میں سے ہو کے گذرا ھے - اور ایک پل
کے ذریعے سے جس میں چودہ در ھیں - اور دونون
جانب دو مضبوط بُرج بنے ھیں - شہر کے دونوں حصون
میں آمد و رفت ھے - بغداد کے قریب شہر بابل کي
بہت سي یادگارین اور عمارتون کے کھنڈر اب تک باقي
ھیں - شہر کے ایک بلند مقام پر مضبوط قلعہ ھے -
اور اسي کے اندر شاھي قصر ھیں -

یہان سے روانہ ہو کے میں نے بیس دن کشتي کا سفر
کیا دریا کے دونون جانب نہایت زر خیز زمینیں نظر
آئیں - پھر آٹھہ روز خشکي کا سفر کر کے بصرے

که اپنے سفر کے حالات سکرتري پوگیو **پوگیو بریسولي** . نے

بیان کردو- پوگیو نے یہ واقعات اس سے سن کے لاطني زبان

میں لکھہ دیے تے - اور ہمیں یقیں ہے کہ اسکے حالات

ناظرین دلگداز کے لیئے بہت ہي دلچسپ ثابت ہونگے -

نکلو دمشق الشام میں ایک تاجر کي حیثیت سے

رہتا تھا - اور عربي زبان سیکھہ کے ایک قافلے کے

ساتھہ جس میں چھہ سو تاجر تے اپنا مال تجارت لے

کے **عراق عرب** کي جانب روانہ ہو گیا - اور **چلبدیا**

ہوتا ہوا دریاے دجلہ کے کنارے پہونچا وہ بیان کرتا

ہے کہ اس راستے میں ایک عجیب و غریب واقعہ

پیش آیا - آدھي رات کو جب ایک مقام پر ٹھہرے

ہوئے تھے زور و شور کي آوازین آنا شروع ہوئیں - ہم

سمجھے کہ عربوں نے حملہ کردیا ہے اور ہمیں لوٹنے

آرہے ہیں لہذا ہر شخص اٹھا اور مقابلے کے لیے تیار

ہو گیا - اب ہم انکے انتظار میں کھڑے تے کہ دیکھا

لوگوں کي ایک بہت بڑي جماعت گھوڑوں پر سوار

قریب آگئے اور ہمارے خیموں کے پاس سے گذر نے لگے

انتخاب از مضامین شرر

– مصنفۂ –

مولانا مولوي محمد عبد الحليم شرر لكهنوي

قديم سياحان هندوستان

پندرهوين صدي عيسوي كے آغاز مين نكلو كانتي نام وانس كے ايك تاجر نے هندوستان كا سفر كيا - اور برهما - الجزائر - چين - اور مصر هوتا هوا پچيس سال كے بعد اپنے وطن واپس آيا - اس سفر ميں وه اپني بيوي اور بچون كو ساتهه ليتا گيا تها - واپسي كے وقت مصر مين آسے اپنا عيسوي مذهب چهوڑ دينا پڑا - جب وه وطن پهونچگيا تو پوپ يوجن چهارم سے درخواست كي كه ميرا گناه كبيره جو اپني جان بچانے كي غرض سے سرزد هو گيا تها معاف كرديا جائے - پوپ نے اس كي درخواست منظور كرلي - ليكن يه شرط لگادي

پاس بیٹھے تھے ؛ کسی نے آکر قید سے چھوٹنے کی مبارکباد دی ؛ میرزا نے کہا " کون بھڑوا قید سے چھوٹتا ہے ؟ پہلے 'گورے' کی قید میں تھا اب 'کالے' قید میں ہوں -

---

یہ واقعہ میرزا صاحب پر نہایت شاق گزرا تھا - اگرچہ منجملہ چھہ مہینے کے تین مہینے جو انکو قید خانے میں گزرے ان کو کسی طرح کی تکلیف نہیں ہوئی ؛ وہ بالکل قید خانے میں اسی آرام سے رہے جیسے گھر پر رہتے تھے ؛ کھانا اور کپڑا اور تمام ضروریات حسب دلخواہ گھر سے انکو پہنچتی تھیں ' انکے دوست انسے ملنے جاتے تھے - اور وہ صرف بطور نظر بندوں کے جیلخانہ کے ایک علحدہ کمرے میں رہتے تھے - مگر چونکہ اسوقت تک شہر کے شرفا و عیان کے ساتھہ کبھی اس قسم کا سلوک میرزا نے نہیں دیکھا تھا اس لئے وہ اسکو ایک بڑی بے آبروئی کی بات سمجھتے تھے -

نواب مصطفی خاں مرحوم نے اس زمانے میں میرزا کے ساتھہ دوستی کا حق پورا پورا ادا کیا اپیل میں جو کچھہ صرف ہوا وہ اپنے پاس سے صرف کیا اور تین مہینے تک برابر انکی غمخواری اور ہرطرح کی خبرگیری میں مصروف رہے -

جب میرزا قید سے چھوٹ کر آئے تو میاں ' کالی ' صاحب کے مکان میں آکر رہے تھے - ایک روز میاں کے

مجسٹریٹ کو بہت نفریں کي اور میري خاکساري
اور آزادہ روی سے اسکو مطلع کیا ؛ یہانتک کہ اسنے
خود بخود میري رہائي کي رپورٹ بھیجدي - اگرچہ
میں اسوجہ سے کہ ہر کام کو خدا کي طرف سے سمجھتا
ہوں اور خدا سے لڑا نہیں جاسکتا - جو کچھہ گزرا
اسکے ننگ سے آزاد اور جو کچھہ گزرنے والا ہے اس پر
راضی ہوں - مگر آرزو کرنا آئین عبودیت کے خلاف
نہیں ہے - میري یہ آرزو ہے کہ اب دنیا میں نہ
رہوں ؛ اور اگر رہوں تو هندوستان نہ رہوں ' روم ہے '
مصر ہے ' ایران ہے ' بغداد ہے ' یہ بھي جانے دو خود
کعبہ ازادوں کیجائے پناہ اور آستانۂ رحمۃ للعالمین
دلدادوں کي تکیہ گاہ ہے ' دیکھئیے وہ اب وقت آئیگا - کہ
درماندگی کي قید سے جو اس گزري ہوئی قید سے
زیادہ جانفرسا ہے نجات پاؤں اور بغیر اس مرنیکے
کہ کوئي منزل مقصود قرار دوں سر بصحرا نکل جاؤں -
یہ ہے جو کچھہ کہ مجھپر گزرا اور یہ ہے جسکا میں
آرزومند ہوں " -

سنۂ ۱۲۶۴ ھجري میں میرزا پر ایک سخت ناگوار واقعہ گزرا - میرزا نے خود اِس واقعہ کو ایک فارسي خط میں مختصر طور پر بیان کیا ہے جس کا ترجمہ ہم اس مقام پر لکھتے ہیں '' کوتوال دشمن تھا اور مجسٹریٹ ناواقف؛ فتنہ کھات میں تھا اور ستارہ گردش میں - باوجودیکہ مجسٹریٹ کوتوال کا حاکم ہے؛ میرے باب میں وہ کوتوال کا محکوم بن گیا اور میري قید کا حکم صادر کر دیا - سشن جج - باوجودیکہ میرا دوست تھا اور ہمیشہ مجھہ سے دوستي اور مہرباني کے برتاؤ برتتا تھا اور اکثر صحبتوں میں بے تکلفانہ ملتا تھا - اُسنے بھي اغماض اور تغافل اختیار کیا - صدر میں اپیل کیا گیا مگر کسي نے نہ سنا اور وھي حکم بحال رہا - پھر معلوم نہیں کیا باعث ہوا کہ جب آدھي میعاد گزر گئي تو مجسٹریٹ کو رحم آیا اور صدر میں میري رہائي کي رپورٹ کي اور وہاں سے حکم رہائي کا آگیا اور حکام صدر نے ایسي رپورٹ بھیجنے پر اس کي بہت تعریف کي - سنا ہے کہ رحم دل حاکموں نے

فوراً بلا لیا - مگر یہ پالکي سے اُترکر انتظار میں تھہرے رہے کہ دستور کے موافق صاحب سکرٹري اُنکے لینے کو آئینگے - جب بہت دیر ہوگئي ' اور صاحب کو معلوم ہوا کہ اس سبب سے نہیں آئے ؛ وہ خود باہر چلے آئے اور میرزا سے کہا کہ جب آپ دربار گورنري میں تشریف لائینگے تو آپ کا اسیطرح استقبال کیا جائیگا - لیکن اسوقت آپ نوکري کے لئے آتے ہیں اس موقع پر وہ برتاؤ نہیں ہو سکتا - میرزا صاحب نے کہا گورنمنٹ کي ملازمت کا ارادہ اس لئے کیا ہے کہ اعزاز کچھہ زیادہ ہو نہ اس لئے کہ موجودہ اعزاز میں بھي فرق آئے - صاحب نے کہا ؛ ہم قاعدے سے مجبور ہیں میرزا صاحب نے کہا مجھکو اس خدمت سے معاف رکھا جائے ' اور کہکر چلے آئے -

قید ہونیکا واقعہ

میرزا کو شطرنج اور چوسر کھیلنے کي بہت عادت تھي - اور چوسر جب کبھی کھیلتے تے برائے نام کچھہ بازي بد کر کھیلا کرتے تھے - اسي چوسر کي بدولت

اور بعض مذکر بولتے ہیں ؛ کسي نے میرزا صاحب سے پوچھا کہ حضرت ! رتھہ مؤنث ہے یا مذکر؟ آپ نے کہا بھیّا ! جب رتھہ میں عورتیں بیٹھي ہوں تو مؤنث کہو اور جب مرد بیٹھیں تو مذکر سمجھو -

ملازمت سرکاري سے انکار

تذکرۂ آبحیات میں لکھا ہے کہ سنہ ۱۸۴۲ع میں جب کہ دهلي کالج نئے اُصول پر قائم کیا گیا - مسٹر ٹامسن سکرٹري گورنمنٹ هند - جو آخر کو اضلاع شمال و مغرب میں لفٹنٹ گورنر هوگئے تھے - مدرسین کے امتحان کے لئے دلّي میں آئے - اور چاها کہ جسطرح سو روپیہ ماهوار کا ایک عربي مدرّس کالج میں مقرر ہے ؛ اسیطرح ایک فارسي کا مدرّس مقرر کیا جاے - لوگوں نے 'میرزا' اور 'مومن خاں' اور مولوي 'امام بخش' کا ذکر کیا - سب سے پہلے میرزا صاحب کو بُلایا گیا - میرزا پالکي میں سوار هوکر صاحب سکریٹري کے ڈیرے پر پہنچے - صاحب کو اطلاع هوئي - اُنہوں نے

آپ کو فرشتہ خصائل جانتا ہوں اور میں اُسکے جواب میں اپني نسبت یہ عرض کروں کہ میں تو آپ کو کتّے سے بھي بدتر سمجھتا ہوں؛ تو سخت مشکل واقع ہوگي؛ میں تو اپني نسبت کھونگا اور آپ ممکن ہے کہ اپني نسبت سمجھہ جائیں - سب حاضرین یہ لطیفہ سنکر پھڑک گئے - میرزا کا مطلب صرف اسقدر بیان کرنا تھا کہ آپکو مخاطب کے لئے تو عموماً بولا ھي جاتا ہے؛ اگر متکلم کے لئے بھي اس کا استعمال ہوگا تو بعض موقع پر التباس واقع ہوگا - اس مطلب کو اُنھوں نے اس لطیف پیرائے میں بیان کیا - مگر یہ فقط ایک لطیفہ اہل صحبت کے خوش کرنے کے لئے تھا ورنہ اہل دھلي بھي اکثر بجاے 'اپنی تئیں' کے 'اپ کو' بولتے ہیں؛ اِس میں کچھہ اہل لکھنؤ کي خصوصیت نہیں ہے -

لطیفہ

زبان کے متعلق میرزا کا اسي قسم کا ایک اور لطیفہ مشہور ہے - دلّي میں 'رتھہ' کو بعضے مؤنث

کہا کہ اس میں سے جو مناسب سمجھو میرزا کو بھیجدو - میرزا صاحب نے یہ سنکر پھر کچھہ تحریک کی مگر تین دن بعد یہ خبر پہنچی کہ نصیرالدین مرگئے - پھر واجد علی شاہ کے زمانے میں میرزا نے سلسلہ جنبانی کی؛ اور پانسو روپیہ سالانہ ہمیشہ کے لئے وہاں مقرر ہوگئے - لیکن صرف دو برس گزرے تھے کہ ریاست ضبط ہوگئی؛ اور وہ دفتر گاؤ خورد ہوگیا -

لطیفہ

لکھنؤ کی ایک صحبت میں جب کہ میرزا وہاں موجود تھے - ایک روز لکھنؤ اور دلّی کی زبان پر گفتگو ہورہی تھی ایک صاحب نے میرزا سے کہا کہ جس موقع پر اہل دہلی 'اپنے تئیں' بولتے ہیں وہاں اہل لکھنؤ 'آپ کو' بولتے ہیں؛ آپ کی راے میں فصیح "اپ کو" ہے یا "اپنے تئیں"؟ میرزا نے کہا فصیح تو یہی معلوم ہوتا ہے جو آپ بولتے ہیں؛ اس میں دقت یہ ہے کہ مثلاً آپ میری نسبت یہ فرمائیں کہ میں

طور مدارات کي اور روشن الدولہ کے ہاں بعنوان شائستہ اُنکي تقریب کي گئي - میرزا سے اُس پریشاني کے عالم میں قصیدہ تو سرانجام نہیں ہوسکا ' مگر ایک مدحیہ نثر صنعت تعطیل میں جو اُن مسودات مین موجود ہے نائب السلطنت کے سامنے پیش کرنے کے لئے لکھي تھي - لیکن میرزا صاحب نے ملاقات سے پہلے دو شرطیں ایسي پیش کیں جو منظور نہ ہوئیں ایک یہ کہ نائب میري تعظیم دیں ' دوسرے نذر سے مجھے معاف رکھا جائے - اسیوجہہ سے میرزا بغیر اسکے کہ روشن الدولہ سے ملیں اور وہ نثر پیش کریں - وہاں سے کلکتے کو روانہ ہوگئے - مگر معلوم ہوتا ہے کہ کلکتے سے واپس آنے کے بعد اُنہوں نے ایک قصیدہ دلي سے نصیرالدین حیدر کي شان میں لکھکر ایک دوست کے توسط سے گزرانا تھا - اور اُس پر پانچ ہزار روپے بطور صلے کے ملنے کا حکم ہوا تھا ؛ شیخ امام بخش ناسخ نے میرزا کو لکھا کہ پانچ ہزار ملے تھے ؛ تین ہزار روشن الدولہ کھا گئے ؛ اور دوہزار متوسط کو دیکر

اگرچہ میرزا کے طرفدار بھي کلکتے میں بہت تے مگر چونکہ میرزا اعتراض اور مخالفت سے بہت جزبز ہوتے تے - آنکے گھبرا دینے کو ایک معترض بھي کافي تھا - اُنھوں نے تنگ آکر ایک مثنوی موسوم بہ باد مخالف جس میں اپني غریب الوطني کا ذکر اور اہل کلکتہ کي نامہرباني کي شکایت اور آنکے اعتراضات اور اپنے جواب نہایت عمدگي اور صفائي اور دردانگیز طریقے سے بیان کئے ہیں -

قیام لکھنؤ

جب میرزا نے دلي سے کلکتے جانے کا ارادہ کیا تھا اُسوقت راہ میں تھہرنے کا قصد نہ تھا - مگر چونکہ لکھنؤ کے بعض ذي اقتدار لوگ مدّت سے چاھتے تے کہ میرزا ایک بار لکھنؤ آئیں ؛ اس لئے کانپور پہنچکر اُن کو خیال آیا کہ لکھنؤ دیکھتے چلئے - اُس زمانے میں نصیرالدین حیدر فرمانروا اور روشن الدولہ نائب السلطنت تے - اہل لکھنؤ نے میرزا کي عمدہ

قتیل کا قول سنداً پیش کیا تھا - مگر میرزا ہندوستان کے فارسی گو شاعروں میں خسرو کے سوا کسی کو نہیں مانتے تھے - چنانچہ وہ ایک خط میں لکھتے ہیں "اہل ہند میں سوائے خسرو دہلوی کے کوئی مسلم الثبوت نہیں، میاں فیضی کی بھی کہیں کہیں ٹھیک نکلجاتی ہے" اسی لئے وہ قتیل و واقف وغیرہ کو کچھہ چیز نہیں سمجھتے تھے - اُنہوں نے قتیل کا نام سنکر ناک بھوں چڑھائی اور کہا کہ میں دلوالی سنگھہ فرید آباد کے کھتری کے قول کو نہیں مانتا اور اہل زبان کے سوا کسی کے قول کو قابل استناد نہیں سمجھتا - اور اپنے کلام کی سند میں اہل زبان کے اقوال پیش کئے - اس پر معترضین میں زیادہ جوش و خروش پیدا ہوا اور میرزا پر اعتراضوں کی بوچھاڑ پڑنے لگی -

---

(۱) مرزا قتیل نو مسلم تھے - اسلام لانے سے پہلے اُن کا نام دلوالی سنگھ تھا اور فرید آباد ضلع دہلی کے کھتری تھے مسلمان ہونے کے بعد لکھنؤ چلے گئے تھے جہاں اُن کی نہایت قدر ہوئی -

کردیا جائے - چوتھي یہ کہ پنشن فیروزپور سے خزانہ سرکار میں منتقل ہوجائے' تاکہ رئیس فیروزپور سے مانگني نہ پڑے (یہ دونوں درخواستیں منظور ہوگئیں اور انکے موافق اخیر تک عملدرآمد رہا) پانچویں درخواست خطاب اور خلعت کي تھي - جہانتک معلوم ہے کوئی خطاب گورنمنٹ سے میرزا کو نہیں ملا - لیکن گورنمنٹ ہند اور لوکل گورنمنٹ سے آنکو "خانصاحب بسیار مہربان دوستان" لکھا جاتا تھا - اور جب کبھي دلي میں ویسرائے یا لفٹنٹ گورنر کا دربار ہوتا تھا تو آنکو بھی دیگر رؤسا و عمائد شہر کے بلایا جاتا تھا - اور سات پارچے کا خلعت مع جیغہ و سرپیچ و مالائے مروارید کے آنکو برابر ملتا رہا - اور تمام لوکل حکام اور افسر آن سے رئیس زادون کي طرح ملتے رہے -

مجادلۂ اہل کلکتہ

کلکتے کے قیام کے زمانے میں کچھہ لوگوں نے میرزا کے کلام پر اعتراض کئے تھے اور اپنے اعتراضوں پر

رہ چکے تھے ' اور اُنھیں کے روبرو جاگیروں اور پنشنوں کي سندیں لوگوں کو ملي تھیں ' میرزا کے معاملے کي بابت استفسار کیا - اُنھوں نے میرزا کے دعوے کو غلط بتایا اور جس طرح اور جس قدر پنشن فیروز پور سے ملني قرار پائي تھی اُس کي مفصل کیفیت - جو میرزا کے دعوے کے بالکل خلاف تھي - گورنمنٹ میں بھیجدي - جب یہاں سے میرزا کو مایوسي ہوئی تو اُنھوں نے ولایت میں اپیل کیا مگر وہاں بھي کچھہ نہ ہوا -

میرزا صاحب نے گورنمنٹ ہند سے پانچ درخواستیں کي تھیں ' ایک تو یہي کہ اُن کے خیال کے موافق جو مقدار پنشن کي سرکار نے مقرر کي ہے وہ آیندہ پوري ملا کرے - دوسري یہ کہ ابتک جسقدر کم پنشن ملتي رہي ہے اُسکي واصلات ابتدا سے آج تک ریاست فیروز پور سے دلوائي جائے ' چونکہ پہلي درخواست نامنظور ہوئي تھي (اس لئے دوسري درخواست کیونکر منظور ہوتي) تیسري درخواست یہ تھي کہ کل پنشن میں جو حصہ میرا قرار پائے وہ اور سرکار سے علٰحدہ

دم آگیا تھا، اُدھر چھوٹے بھائی کو جنون ہوگیا، میرزا جیسے آزاد منش آدمی کیلئے یہ وقت نہایت سخت تھا؛ اُس کشمکش میں اُنکو اسکے سوا اور کچھہ نہ سوجھا کہ کلکتے پہنچکر سوپریم گورنمنٹ میں پنشن کی بابت استغاثہ پیش کریں -

غرضکہ میرزا کی عمر کچھہ کم چالیس برس کی تھی - جبکہ لکھنؤ ہوتے ہوئے کلکتے پہنچے - کلکتے میں لوگوں نے اُنکی بہت خاطر و مدارات کی اور اُنکو کامیابی کی اُمید دلائی - **اسٹرلنگ** صاحب سکرتری گورنمنٹ ہند نے جنکی مدح میں میرزا کا فارسی قصیدہ اُنکے کلیات میں موجود ہے، وعدہ کیا کہ تمہارا حق ضرور تمکو ملیگا **کول برگ** صاحب جو اُس وقت دلی میں رزیڈنٹ تھے اُنھوں نے دلی ہی میں میرزا سے عمدہ 'رپورٹ' کرنے کا اقرار کرلیا تھا - ان اُمیدوں کے دھوکے میں وہ پورے دو برس کلکتے میں رہے، مگر آخرکار نتیجہ ناکامی کے سوا کچھہ نہ ہوا - گورنمنٹ نے **سرجان میلکم** گورنر بمبئی سے - جو **لارڈ لیک** کے سکرتری

ارر بنارس میں بھي ٹھہرے تھے - کلکتے جانے کا سبب یہ تھا کہ جب میرزا کے چچا نصراللہ بیگ خاں نے وفات پائي تھي اُس وقت میرزا کي عمر نو برس کی تھي اور اُنکے بھائي کي عمر سات برس کي تھي - نصراللہ بیگ خاں کي وفات کے بعد اُنکے متعلقوں اور وارثوں کے لئیے جن میں میرزا اور اُنکے بھائي بھي شریک تھے - جو پنشن گورنمنٹ نے ریاست فیروزپور جھرکہ پر محوّل کردي تھي جبتک مرزا صغیر سن رھے جو کچھہ وھانسے ملتا رھا پاتے رھے - جب سن تمیز کو پہنچے اور شادي بھي ھوگئي - عالم شباب اور خانہ داري کي ضرورتیں بہت بڑہ گئیں اور گھر میں جو کچھہ اناثہ تھا وہ بھي چند روز میں سب خرچ ھوگیا ؛ لاچار فکر معاش دامن گیر ھوئي - اول میرزا کو غلط یا صحیح یہ خیال پیدا ھوا کہ فیروزپور سے جس قدر پنشن ھمارے خاندان کے لئے گورنمنٹ نے مقرر کرائي تھي اُسقدر ھمکو نہیں ملتي - ضرورتوں نے سخت تنگ کر رکھا تھا ' ادھر قرضخواھوں کے تقاضے سے ناک میں

حکیم محمود خاں مرحوم کے دیوانخانے کے متصل مسجد کے عقب میں تھا جس کي نسبت وہ کہتے ہیں -

مسجد کے زیر سایہ اک گھر بنا لیا ہے
یہ بندۂ کمینہ ہمسایۂ خدا ہے

مطالعۂ کتب

جس طرح میرزا نے تمام عمر رہنے کے لئے مکان نہیں خریدا اسي طرح مطالعے کے لئے بھي - باوجودیکہ ساري عمر تصنیف کے شغل میں گزري - کبھی کوئي کتاب نہیں خریدي - اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ - ایک شخص کا یہي پیشہ تھا کہ کتاب فروشوں کي دوکان سے لوگوں کو کراے کي کتابیں لادیا کرتا تھا ' میرزا صاحب بھي ہمیشہ اُسي سے کراے پر کتابیں منگواتے تھے اور مطالعے کے بعد واپس کردیتے تھے -

سفر کلکتہ

ظاہراً میرزا نے کوئی لمبا سفر کلکتے کے سوا نہیں کیا - اسي سفر کي آمد و رفت میں وہ چند ماہ لکھنؤ

اُنکے چہرے اور قد و قامت اور ڈیل ڈول سے نمایاں طور پر نظر آتے تھے، مگر اخیر عمر قلت خوراک اور امراض دائمی کے سبب وہ نہایت نحیف و زار و نزار ہوگئے تھے - لیکن چونکہ ھاڑ بہت چکلا قد کشیدہ اور ھات پاؤں زبردست تھے اس حالت میں بھی وہ ایک نووارد و نورانی معلوم ہوتے تھے -

مسکن

دلی میں اُنکے قیام کے زمانہ قریب پچاس برس کے معلوم ہوتا ہے، اس تمام مدت میں اُنہوں نے غالباً یہاں کوئی مکان اپنے لئے نہیں خریدا، ہمیشہ کرایے کے مکانوں میں رہا کئے - یا ایک مدت تک میاں کالے صاحب کے مکان میں بغیر کرایے کے رہے تھے، جب ایک مکان سے جی اُکتایا اُسے چھوڑ کر دوسرا مکان لے لیا، مگر قاسم جان کی گلی یا حبش خاں کے پھاٹک یا اُسکے قرب و جوار کے سوا کسی اور ضلع میں جاکر نہیں رہے - سب سے اخیر مکان جسمیں ان کا انتقال ہوا -

سپاهي تمہارے دادا کا پیش دست رهتا تها اور وہ کٹروں کا کرایہ اُگاهکر جمع کرواتها - بهائي تم سنو تو سهي ! تمہارے دادا بہت کچهہ پیدا کرگیا - علاقے مول لئے تھے اور زمینداره اپنا کرلیا تها - دس باره هزار روپے کي سرکار کي مالگزاري کرتا تها - آیا وہ سب کارخانے تمہارے هاتهہ آے یا نہیں ؟ اس کا حال از روے تفصیل جلد مجهکو لکهو" اِس خط کے مضمون سے معلوم هوتا هے کہ میرزا کے نانا کي آگرہ میں ایک خاصي سرکار تهي جس کي بدولت اُن کے ملازم اور متوسلین دس دس باره باره هزار کے مالگزاري بن گئے تھے ' اور میرزا کا بچپن اور عنفوان شباب بڑے اللّے اور تللّوں میں بسر هوا تها -

اهل دهلي میں سے جن لوگوں نے میرزا کو جواني میں دیکها تها اُن سے سنا گیا هے کہ عنفوان شباب میں وہ شہر کے نہایت حسین و خوشرو لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے - بڑهاپے میں بهي - جبکہ راقم نے پہلے هي بار اُنکو دیکها هے - حسانت اور خوبصورتي کے آثار

هیں - میں اور وہ ہم عمر تھے - شاید منشي بنسي دھر
مجھسے ایک دو برس بڑے ہوں یا چھوٹے ہوں - اُنیس
بیس برس کي میري عمر اور ایسي ھي عمر اُن کي ؛
باہم شطرنج اور اختلاط اور محبت ' آدھي آدھي رات
گزر جاتي تھي ؛ چونکہ گھر اُن کا بہت دور نہ تھا
اس واسطے جب چاہتے تھے چلے جاتے - پس ہمارے اور
اُن کے مکان میں مچھیا رندي کا گھر اور ہمارے دو
کٹرے درمیان تھے - ہماري بڑي حویلي وہ ھے کہ جو
اب لکشمي چند سیٹھہ نے مول لے لي ھے - اُسی کے
دروازے کي سنگیں بارہ‌دري پر میري نشست تھي -
اور پاس اُس کے ایک کھٹیا والي حوالي ' اور سلیم
شاہ کے تکئے کے پاس دوسري حویلي ' اور کالے محل سے
لگي ہوئي ایک اور حویلي اور اُس سے آگے بڑھکر ایک
کٹرا - کہ وہ گڈریوں والا مشہور تھا - اور ایک کٹرا
کہ وہ کشمیرن والا کہلاتا تھا - اُس کٹرے کے ایک
کوٹھے پر میں پتنگ اُڑاتا تھا ' اور راجہ بلوان
سنگھہ سے پتنگ لڑا کرتے تھے - واصل خاں نامی ایک

میرزا کے نانا کی جاگیر میں متعدد دیہات اور آگرہ شہر میں بہت بڑی املاک تھی - وہ منشی شیونرائن رئیس آگرہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں "میں کیا جانتا تھا کہ تم کون ہو - جب یہ جانا کہ تم ناظر بنسی دھر کے پوتے ہو تو معلوم ہوا کہ میرے فرزند دلبند ہو- اب تم کو مشفق و مکرم لکھوں تو گنہگار تم کو ہمارے خاندان اور اپنے خاندان کی آمیزش کا حال کیا معلوم؟ مجھسے سنو! تمھارے پردادا عہد نجف خاں میں میرے نانا صاحب مرحوم خواجہ غلام حسین خاں کے رفیق تھے - جب میرے نانا نے نوکری ترک کی' اور گھر بیٹھے' تو تمھارے پردادا نے بھی کمر کھولدی اور پھر کہیں نوکری نہ کی - یہ باتیں میرے ہوش سے پہلے کی ہیں - مگر جب میں جوان ہوا تو میں نے یہ دیکھا کہ منشی بنسی دھر' خاں صاحب کے ساتھہ ہیں' اور اُنھوں نے جو کتیھم گانو اپنی جاگیر کا سرکار میں دعویٰ کیا ہے تو بنسی دھر اُس امر کے منصرم ہیں' اور وکالت اور مختاری کرتے

نہ کیا ہوگا اور جیسا کہ 'قاطع برہان' اور 'درفش کاویانی' کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے - اس نے تمام فارسی زبان کے مقدم اصول اورگر اور پارسیوں کے مذہبی خیالات اور اسرار جن کو فارسی زبان کے سمجھنے میں بہت بڑا دخل ہے اور پارسی و سنسکرت کا متحد الاصل ہونا اور اِسی قسم کی اور ضروری باتیں میرزا کے دل میں بوجہ اوفی تہ نشین کردی تھیں -

چونکہ میرزا کے چچا کا رشتہ نواب فخرالدولہ کے خاندان میں ہوچکا تھا اور اِس لئے ان کے خاندان سے ایک نوع کا تعلق پیدا ہوگیا تھا ؛ میرزا کی شادی نواب فخرالدولہ کے چھوٹے بھائی میرزا الٰہی بخش خان معروف کے ہاں قرار پائی - اور جیسا کہ میرزا ایک رقعہ میں اشارہ کیا ہے - تیرہ برس کی عمر میں سات رجب سنہ ۱۲۲۵ ہجری کو ان کا عقد ہوگیا - اس تقریب سے ان کی آمد و رفت دلی میں زیادہ ہوگئی اور آخرکار یہیں سکونت اختیار کرلی اور اخیر عمر تک دلی ہی میں رہے -

میں ایسے شفیق ، کامل ، جامع اللسانین استاد کا ملجانا ان نوادر اتفاقات میں سے تھا جو بہت کم واقع ہوتے ہیں - اگرچہ میرزا کو اس سے زیادہ مستفید ہونے کا موقع نہیں ملا ، مگر اس کے فیض صحبت نے کم سے کم وہ ملکہ ضرور میرزا میں پیدا کردیا تھا جس کي نسبت کہا جاتا ہے کہ " اگر حاصل شود خوانده و ناخوانده برابرست ؛ و اگر حاصل نہ شود هم خوانده ناخوانده برابر" معلوم ہوتا ہے کہ میرزا کي حسن قابلیت اور حسن استعداد نے ملا عبد الصمد کے دل پر گہرا نقش بٹھا دیا تھا کہ یہاں سے چلے جانے کے بعد بھي وہ مدت تک میرزا کو نہیں بھولا نواب مصطفیٰ خاں مرحوم کہتے تھے کہ ملا کے ایک خط میں جو اس نے میرزا کو کسي دوسرے ملک سے بھیجا تھا یہ فقرہ لکھا تھا " اے عزیز چہ کسی ؟ کہ با ایں همہ آزادیہا گاہ گاہ بخاطر مي گذري " اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھہ دو برس کے قلیل عرصے میں وہ میرزا کو سکھا سکتا تھا اس میں ہرگز مضائقہ

تھي چنانچہ میرزا نے جابجا اس کے تلمذ پر اپني تحریروں میں فخر کیا ھے اس کو بلفظ 'تیمبار' جو پارسیوں کے ھاں نہایت تعظیم کا لفظ ھے یاد کیا ھے - لیکن جیسا کہ میرزا نے اپني بعض تحریروں میں تصریح کي ھے - میرزا کي چودہ برس کي عمر تھي' جب عبد الصمد ان کے مکان پرروارد ھوا ھے اور کل دو برس اس نے وھاں قیام کیا - پس جب یہ خیال کیا جاتا ھے کہ میرزا کو کس عمر میں اس کي صحبت میسّر آئي' اور کس قدر قلیل مدت اس کي صحبت میں گزري' تو عبد الصمد اور اسکي تعلیم کا عدم و وجود برابر ھوجاتا ھے - اِس لئے میرزا کا یہ کہنا کچھہ غلط نہیں ھے مجھکو مبداء فیاض کے سوا کسي سے تلمذ نہیں ھے -

ملّا عبد الصمد علاوہ فارسي زبان کے جو اس کي مادري زبان اور اس کي قوم کي مذھبي زبان تھي - عربي زبان کا بھي - جیسا کہ میرزا نے لکھا ھے - بہت بڑا فاضل تھا - اگرچہ میرزا کو اس کي صحبت بہت کم میسر آئي' مگر میرزا جیسے جوھر قابل کو صغر سن

دلي میں آنے جانے لگے تھے لیکن شادي کے بعد تک
ان کي مستقل سکونت آگرے ھي میں رھي اور شیخ
معظم جو اس زمانے میں آگرہ کے نامي معلموں میں
سے تھے ان سے تعلیم پاتے رھے - اس کے بعد ایک شخص
پارسي نژاد جس کا نام آتش پرستي کے زمانے میں
ھرمزد تھا اور بعد مسلمان ھونے کے عبد الصمد رکھا
گیا ' غالباً آگرے میں سیاحانہ وارد ھوا ' جو کہ
دو برس تک میرزا کے پاس اوّل آگرہ میں اور پھر
دلي میں مقیم رھا ؛ میرزا نے اس سے فارسي زبان میں
کسیقدر بصیرت پیدا کي ؛ اگرچہ کبھي کبھي میرزا کي
زبان سے یہ بھي سنا گیا ھے کہ "مجکو مبدا٫ فیاض کے
سوا کسي سے تلمّذ نہیں ھے ' اور عبد الصمد محض
ایک فرضي نام ھے - چونکہ مجھکو لوگ بے استادا
کہتے تھے ان کا منھہ بند کرنے کو میں نے ایک فرضي
استاد گھڑ لیا ھے " مگر اس میں شک نہیں کہ
عبد الصمد فی الواقع ایک پارسي نژاد آدمي تھا
اور میرزا نے اس سے کم و بیش فارسي زبان سیکھي

جب میرزا کي هر طرح سے بریت هوگئي تو 'پنشن' پهر جاري هوگئي' اور تین برس کي واصلات بهي سرکار نے عنایت کي - جب تک 'پنشن' بند رهي میرزا کے دوستوں کو نهایت تعلق خاطر رها -

لطیفه

اکثر لوگ پنشن کا دریافت کرنے کو خط بهیجتے تهے - ایک دفعه میر مهدي نے اسي مضمون کا خط بهیجا تها ; اس کے جواب میں میرزا صاحب لکهتے هیں "میاں بے رزق جینے کا ڈهب مجهکو آگیا هے ; اِس طرف سے خاطر جمع رکهنا - رمضان کا مهینه روزے کها کها کر کاٹا ; آگے خدا رزاق هے ; کچهه اور کهانیکو نه ملا تو غم تو هے" -

تعلیم

میرزا غالب مع اپنے چهوٹے بهائي کے سن شعور تک آگره هي میں رهے ; اگرچه سات برس کي عمر سے وه

تک جاري رها؛ ميرزا کے والد کي وفات کے بعد ان کے چچا نصراللہ بيگ خاں نے ان کو پرورش ديا -

جب سرکار انگريزي کي عملداري هندوستان ميں اچهي طرح قائم هوگئي' اور نواب فخرالدوله احمد بخش خاں لارڈ ليک کے لشکر ميں شامل هوے' تو انهوں نے ميرزا غالب کے چچا نصراللہ بيگ خاں کو جن سے نواب موصوف کي همشير منسوب تهيں؛ سرکاري فوج ميں بعهدهٔ رسالداري ملازم کراديا ان کي ذات اور رسالے کي تنخواه ميں دو پرگنے يعني سونک اور سونسا' جو نواح آگره ميں واقع هيں' سرکار سے انکے نام مقرر هوگئے - جب تک وه زنده رهے دونوں پرگنے ان کے نامزد رهے' اور انکي وفات کے بعد ان کے وارثوں اور متعلقوں کي پنشنيں سرکار نے فيروزپور جهرکه کي رياست سے مقرر کراديں جس ميں سے سات سو روپيه سالانه ميرزا کو آخر اپريل سنه ١٨٥٧ع تک برابر ملتا رها - مگر فتح دهلي کے بعد تين برس تک قلعے کے تعلقات کے سبب يه 'پنشن' بند رهي - آخر

میرزا کے والد عبد اللہ بیگ خاں ' جیسا کہ میرزا نے خود ایک خط میں لکھا ہے - اول لکھنؤ میں جاکر نواب آصف الدولہ کے ہاں نوکر ہوے ' اور چند روز بعد وہاں سے حیدرآباد پہونچے ؛ سرکار آصفي میں تین سو سوار کي جمیعت سے کئي برس تک ملازم رہے - مگر وہ نوکري ایک خانہ جنگي کے بکھیرے میں جاتي رہي ' اور وہ واپس آگرہ میں چلے آے ؛ یہاں آکر انہوں نے الور کا قصد کیا - راجہ بختاور سنگھہ نے ابھي ان کو کوئي خاطرخواہ نوکري نہیں دي تھي کہ اتفاق سے انہیں دنوں میں ایک گڑھي کے زمیندار راج سے پھرگئے - جو فوج اس گڑھي پر سرکوبي کے لئے بھیجي گئي اس کے ساتھہ میرزا عبد اللہ بیگ خاں کو بھي بھیجا گیا تھا ؛ وہاں پہونچتے ہي ان کے گولي اور وہیں ان کا انتقال ہوگیا ' اور راج گڑہ میں دفن ہوے - راجہ بختاور سنگھہ رئیس الور نے دو گاؤں سیر حاصل اور کسي قدر روزینہ میرزا مرحوم کے دونوں لڑکوں کي پرورش کے واسطے مقرر کردیا ؛ جو ایک مدت دراز

منصب دلوایا اور پہاسو کا میر حاصل پرگنہ ذات اور رسالے کی تنخواہ میں مقرر کردیا ' ان کے کئی بیٹے تھے جن میں سے دو کے نام معلوم ہیں ؛ ایک میرزا کے باپ **عبد اللہ بیگ خان** عرف **میرزا دولہا** اور دوسرے **نصر اللہ بیگ خان** - عبد اللہ بیگ خاں کی شادی **خواجہ غلام حسین خان** کمیدان کی بیٹی سے ہوئی تھی ؛ جو کہ سرکار[1] میرٹھہ کے ایک معزز فوجی افسر اور عمائد شہر آگرہ میں سے تھے ؛ میرزا عبد اللہ بیگ خاں نے بطور خانہ داماد کے اپنی تمام عمر سسرال میں بسر کی ؛ اور ان کی اولاد نے بھی وہیں پرورش پائی ؛ میرزا عبد اللہ بیگ خاں کے دو بیٹے ہوے ' ایک **میرزا اسد اللہ خان** ؛ دوسرے **میرزا یوسف خان** جو ایام شباب میں مجنوں ہوگئے تھے اور اسی حالت میں سنہ ۱۷۵۷ ع میں انتقال کیا -

---

(۱) سرکار ملک کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو صوبے کی نسبت چھوٹا اور پرگنہ و محال وغیرہ سے بہت بڑا ہوتا تھا -

دادا جو شاہ عالم کے زمانے میں سمرقند سے ہندوستان میں آے وہ اسی ترسم خان کی اولاد میں تھے - میرزا مہرنیمروز کے دیباچے میں لکھتے ہیں ' از واپسیان این قافلہ نیائے من - کہ در قلمرو ماوراء النہر - سمرقند شہر مسقط الراس وے بود - چوں سیل کہ از بالا بہ پستی آید از سمرقند بہند آمد ' اور درفش کاویانی میں اس طرح لکھا ہے ' بالجملہ سلجوقیاں بعد زوال دولت و برہم خوردن ہنگامۂ سلطنت در اقلیم وسیع الفضاے ماوراء النہر پراگندہ شدند - ازاں جملہ سلطان زادہ ترسیم خان کہ ما از تخمۂ اوئیم سمرقند را بہر اقامت گزید - تا در عہد سلطنت عالم پاشاہ نیائے من از سمرقند بہندوستان آمد ' -

میرزا کے دادا کی زبان بالکل ترکی تھی ' اور ہندوستان کی زبان بہت کم سمجھتے تھے - اس زمانے میں ذوالفقارالدولہ میرزا نجف خاں شاہ عالم کے دربار میں دخل کلی رکھتے تھے ؛ نجف خاں نے میرزا کے دادا کو سلطنت کی حیثیت کے موافق ایک عمدہ

تمام ایران و توران پر مسلط ہوگئے ' اور تورانیوں کا
جاہ و جلال دنیا سے رخصت ہوگیا ' تو ایک مدت
دراز تک تور کی نسل ملک و دولت سے بے نصیب
رہی ' مگر تلوار کبھی ہاتھہ سے نہ چھوٹی ؛ کیونکہ
ترکوں میں قدیم سے یہ قاعدہ چلا آتا تھا کہ باپ
کے متروکہ میں سے بیٹے کو تلوار کے سوا اور کچھہ
نہ ملتا تھا ' اور کل مال اسباب اور گھر بار بیٹی کے
حصے میں آتا تھا ۔ بارے ایک مدت کے بعد اسلام کے
عہد میں اسی تلوار کی بدولت ترکوں کے بخت
خفتہ نے پھر کروٹ بدلی ' اور سلجوقی خاندان میں
ایک زبردست سلطنت کی بنیاد قایم ہوگئی ۔ کئی
سو برس وہ تمام ایران و توران و شام و روم (یعنی
ایشیاے کوچک) پر حکمراں رہے ؛ آخر ایک مدت کے
بعد سلجوقیوں کی سلطنت کا خاتمہ ہوا ' اور
سلجوق کی اولاد جا بجا منتشر و پراگندہ ہوگئی ۔
انہیں میں سے تومسم خاں نام ایک امیرزادے نے
سمرقند میں بود و باش اختیار کرلی تھی ۔ میرزا کے

انتخاب از یادگار غالب

مرتبۂ

شمس العلماء مولوي خواجہ الطاف حسین حالي

تاریخ ولادت خاندان

میرزا اسد اللہ خاں غالب المعروف بہ میرزا نوشہ' المخاطب بہ نجم الدولہ دبیر الملک اسد اللہ خاں بہادر نظام جنگ المتخلص بہ غالب در فارسی و اسد در ریختہ؛ شب ہشتم ماہ رجب سنہ ۱۲۱۲ھ کو شہر آگرہ میں پیدا ہوئے - میرزا کے خاندان اور اصل و گوہر کا حال' جیسا کہ انھوں نے اپني تحریروں میں جا بجا ظاہر کیا ہے - یہ ہے کہ انکے آبا و اجداد ایبک قوم کے ترک تھے؛ اور ان کا سلسلۂ نسب تور ابن فریدوں تک پہونچتا ہے - جب کیاني

بہت شائق تھا - کنارے پر پہونچکر بڑي دقت پيش آئي کہ وہاں تذکرہ يعني پروانہ راہداري کے بغير کسي کو اُترنے نہيں ديتے تھے - ميں ہندوستان سے اس عجلت ميں چلا تھا - کہ پاسپورٹ لينے کا موقع نہيں ملسکا تھا - پہلے تو ميں بہت گھبرايا کہ افسوس يہ سير مفت ميں رہي جاتي ہے - ليکن پھر خيال آيا - اور ميں نے اُن لوگوں سے کہا کہ ميں يہاں ٹھہرنا نہيں چاہتا - صرف سير کرني مقصود ہے اُن لوگوں ميں سے ايک نے خدا جانے کيونکر پہچانا کہ ميں ہندوستان کا رہنے والا ہوں - غريب الوطن سمجھکر مہرباني کي اور ايک آدمي ساتھہ کرديا کہ يہ تمکو شہر کی سير کرا ديگا -

———

غیر مذہب ہو غیر قوم ہو - تمہاري معیت آنکو کیونکر گوارا ہوگی - لیکن مجھکو تجربے کے بعد معلوم ہوا کہ - مسٹر آرنلڈ کا خیال صحیح نہ تھا - وہ لوگ پابند مذہب تھے - لیکن فرنچ اور اٹالین تھے - انگریز نہ تھے - اس لئے کم آمیزي اور فاتح و مفتوح کا امتیاز جو فاتح قوم کي مخصوص صفتیں ہیں انہیں بالکل نہ تھیں - مسٹر آرنلڈ تھوڑي دیر کے بعد رخصت ہوئے میں نے آنکو خدا حافظ کہا - اور ساتھ ہي یہ فکر پیدا ہوئي کہ دیکھئے تنہائی میں اب کیونکر گزرتي ہے *

۱۵ مئی کو جہاز ' یافہ ' پہونچا - ہمارے اکثر یوروپین ہمسفر یہاں اُتر گئے - ' بیت المقدس ' یہاں سے صرف رات بھر کا راستہ ہے - چونکہ وقت کم تھا اسلئے میں یہاں آتر نہ سکا -

۱۶ مئي کو ' بیروت ' پہونچے - یہاں جہاز عموماً دو پہر سے کم نہیں ٹھہرتا - چونکہ یہ ایک تاریخي مقام اور نہایت قدیم شہر ہے اسلئے میں آسکے دیکھنے کا

اور میں دینوی سلطنت اور حکومت کا ذکر کر رہا ہوں) جب کوئي بلند اور شاندار عمارت دیکھتا تو اس خیال سے خوش ہوتا کہ الحمدللہ ان ملکوں میں مسلمان خوشحال اور دولتمند ہیں - لیکن دریافت کرنیکے بعد معلوم ہوا کہ کسي 'یورپین' سوداگر کا مکان ہے سارے شہر مین ایک بھي عمدہ دکان یا بلند عمارت کسی مسلمان کي نہ تھي - افسوس ع

بہزار زمیں کہ رسیدیم آسماں پیداست

البتہ یورپین آبادي کے خاتمے پر ایک شاہي مسجد ہے اور وہ بہت پر رفعت اور شاندار ہے -

-تھوڑي دیر بازار میں پھر پھرا کر قسطنطنیہ جانے والے جہاز پر سوار ہوا - شیمریل اور آرنلڈ ساتھہ تھے چونکہ یہ 'بیت المقدس' کے حج کا زمانہ تھا - اسلئے فرسٹ اور سکنڈ دونوں درجے عیسائي حاجیوں سے بھرے ہوئے تھے - مسٹر آرنلڈ نے کہا مجکو ڈر ہے کہ تمکو تکلیف نہ پہونچے - یہ لوگ مذہب کے سخت پابند ہیں اور اسلئے ضرور ہے کہ ان میں تعصب ہو - تم

اُس میں عموماً ' یوروپین ' سوداگر رہتے ہیں - اور بہت بڑے بڑے ہوٹل - قہوہ خانے اور تھیئٹر وغیرہ ہیں - ایک قہوہ خانہ عین دریا کے کنارے پر ہے اور بہت ہي پُرفضا ہے - نہایت ترتیب کے ساتھہ سنگ مرمر کے تختے کي چھوٹي چھوٹي میزیں اور اُن کے گرد کرسیاں لگي ہوئي ہیں - چائے - توس - مکھن ہر وقت تیار رہتا ہے - اِس حصے میں کثرت سے دکانیں ہیں - اور نہایت شاندار اور آراستہ ہیں - دوسرے حصہ میں زیادہ تر یہاں کے اصلي باشندے سکونت رکھتے ہیں - لیکن افسوس ہے کہ تمام چیزیں نہایت پست حالت میں ہیں - ہوٹل کے بجائے باورچیوں کي کثیف دکانیں ہیں -

اول اول جب میں اس شہر کي سیر کو نکلا تو ہر چیز کو بڑے شوق اور استغراق کي نگاہ سے دیکھا تھا کیونکہ یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے سلطنت اسلام کي آبادي دیکھي - (حرمین شریفین کي زیارت سے گو اس سے پہلے مشرف ہو چکا تھا لیکن وہ خدا کا ملک ہے

رهتے هیں جنمیں زیادہ تر جہازوں کے متعلق خبریں اور اشتہارات هوتے هیں - سب سے پہلے هم نے اُس سے ٹکٹ بدلوانے کي بابت گفتگو کي - یعني یه که اگر هم یہاں اُتر جائیں اور قسطنطنیه کا نیا ٹکٹ لیں تو جو زائد کرایه هم برنڈزي تک کا دے چکے هیں وہ مجرا ملسکتا هے یا نہیں؟ چونکه وہ خود اسکا جواب نہیں دیسکتا تھا - کمپني کے بڑے دفتر میں گیا - اور وهاں سے واپس آکر کہا که تم اُسي ٹکٹ سے قسطنطنیه تک جا سکتے هو - صرف دو پونڈ یعني ۳۲ روپے اور دینے هونگے - میں بہت خوش هوا اور اِس کارگزاري کے صلے میں آٹھه روپئے اُسکے نذر کئے - یه بھي حسن اتفاق تھا که قسطنطنیه جانے والا جہاز اُس وقت تیار تھا - ورنه پندرہ دن تک پورٹ سعید میں ٹھہرنا پڑتا -

پورٹ سعید

پورٹ سعید ایک چھوٹا سا خوبصورت بندرگاہ هے - آبادي کے دو حصے هیں جو حصه دریا سے متصل هے

شور و غل - اور اسباب کي چهيننا جهپٹي ميں مسافر بالکل بدحواس هو جاتا هے - بهزار دقت کنارے پر پهونچا تو گهنٹوں کرايه کي بحث اور تکرار رهتي هے - ان بلاؤں سے محفوظ رهنے کا عمده طريقه يه هے - که کک کمپني کے ملازموں کے سوا - اور کسي سے کچهه واسطه نه رکهے -

هم کنارے پر پهونچے تو شيمويل نے جو پہلے سے همارے انتظار ميں کهڑا تها - بڑهکر هم سے 'شيک هنڈ' کي - يه شخص قوم کا يهودي هے - اور کک کمپني کي طرف سے مسافرونکي خبر گيري اور هر قسم کي مدد دينے کيلئے معين هے - وه متعدد زبانيں جانتا هے - اور بالخصوص عربي - انگريزي - فرنچ نهايت بے تکلفي سے بول سکتا - لطف يه هے که اُردو ميں بهي نهايت آساني سے بات چيت کرسکتا هے - جسکي وجه يه هے که ايک مدت تک هندوستان ميں ره چکا هے - هم اُس کے ساتهه اُسکے دفتر ميں گئے - دفتر کا مکان لب دريا هے - اور ميز کرسيوں سے اچهي طرح آراسته هے - ميز پر هميشه بهت سے اخبارات موجود

سے جدا هونا پڑا - بمبئی سے میں نے برندزي تک کا ٹکٹ لیا تھا - پورٹ سعید پہونچکر یہ خیال هوا کہ برنڈزي تک تو آرنلڈ کا ساتھہ هے لیکن وهاں سے قسطنطنیہ تک ایک هفتہ کا سفر هے - اتني مدت تک محض اجنبیوں سے سابقہ اور ملک کي اجنبیت کي وجہ سے هر کام میں دقت هوگی - اِس خیال کي بنا پر میں نے پہلي 'اسکیم' بالکل بدل دي اور ارادہ کرلیا کہ شام کے راستہ سے قسطنطنیہ جاؤنگا -

جہاز نے جسوقت لنگر کیا - کک کمپني کا ایک ملازم اپنے مسافروں کي خبر گیري کے لئے جہاز پر آیا جہاز کنارے سے ذرا فاصلہ پر کھڑا هوتا هے - اِس لئے مسافروں کے اُتارنے کے لئے کک کمپني کیطرف سے ایک چھوٹي سي کشتي همیشہ تیار رهتي هے - اِن بندرگاهوں میں جہاز سے اُترنے کے وقت نا تجربہ کار آدمي کو سخت مصیبت پیش آتي هے - جہاز کے لنگر کرنے کے ساتھہ قلي اور ملاح هر طرف سے ٹوٹ پڑتے هیں - اور مسافروں کو سخت پریشان کرتے هیں - اِن کے هجوم -

کو کچھہ اضطراب نہیں ؟ بھلا یہ کتاب دیکھنے کا کیا موقع ھے ؟ فرمایا کہ جہاز کو اگر بربادھی ھونا ھے یہ تھوڑاسا وقت اور بھي قدر کے قابل ھے - اور ایسے قابلقدر وقت کو رائیگاں کرنا بالکل بے عقلي ھے -

مسٹر ارنلڈ کا استقلال

اُن کے استقلال اور جراءت سے مجھکو بھي اطمینان ھوا - آٹھہ گھنٹے کے بعد انجن درست ھوا اور بدستور چلنے لگا -

۱۳ مئي کو جہاز "سویز" پہونچا اور تین چار گھنٹے کیلئے ٹھہرا - مصري عرب - پنیر - کھجور - روٹیاں بیچنے کے لئے لائے ان میں سے ایک نے مجھکو هندوستاني خیال کرکے اردو میں باتیں کرني شروع کیں مجھکو تعجب ھوا اور جب دریافت سے معلوم ھوا کہ اِس نے کبھي هندوستان کي صورت نہیں دیکھي تو اردو عالمگیري پر مجھکو اور بھي تعجب ھوا - ۱۴ مئي کو ھم پورٹ سعید پہونچے اور نہایت افسوس کے ساتھہ مجھکو مسٹر آرنلڈ

ایک ناگوار واقعہ

عدن سے چونکہ دلچسپي کے نئے سامان پیدا ہوگئے تھے - اِس لئے ہم بڑے لطف سے سفر کر رہے تھے - لیکن دوسرے ہي دن ایک پُر خطر واقعہ پیش آیا - جس نے تھوڑي دیر تک مجھکو سخت - پریشان رکھا -

۱۰ مئي کي صبح کو میں سوتے سے اُٹھا تو ہمسفر نے کہا کہ جہاز کا انجن ٹوٹ گیا - میں نے دیکھا تو واقعي کپتان اور جہاز کے ملازم گھبرائے پھرتے تھے اور اُس کي درستي کي تدبیریں کررہے تھے - انجن بالکل بیکار ہو گیا تھا اور جہاز نہایت آہستہ آہستہ ہوا کے سہارے چل رہا تھا - میں سخت گھبرایا اور نہایت ناگوار خیالات دلمیں آنے لگے - اِس اضطراب میں اور کیا کرسکتا تھا - دوڑا ہوا مسٹر آرنلڈ کے پاس گیا - وہ اُسوقت نہایت اطمینان کے ساتھہ - کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے میں نے اُن سے کہا کہ آپ کو خبر بھي ہے - بولے کہ ہاں انجن ٹوٹ گیا ہے - میں نے کہا کہ آپ

عجیب غریب بندر

جسکي هیئت معمولي بندروں سے کچھه الگ تھي -
اِن میں زیادہ‌تر تعجب انگیز بات یه تھي که جب وہ
کسي کو اپنی طرف آتا دیکھکر غل مچاتے تھے تو اُنکي
آواز سے بعض حروف مفہوم ہوتے تھے - میں نے اولاً
خیال کیا که ہم لوگ جسطرح مثلاً بلي کي آواز کو
میاؤں سے تعبیر کرتے ہیں - یه بھي اِسي قسم کے
فرضي الفاظ ہیں - لیکن چند بار میں نے غور سے سنا
تو صاف صاف 'ل' اور 'یا یا' کي آواز محسوس
ہوتي تھي - یہاں تک که اگر کوئي شخص پردے سے
سنتا تو ہرگز خیال نه کر سکتا که بندر کي آواز ہے
میں نے مسٹر آرنلڈ سے اِس کا ذکر کیا تو اُنھوں نے بھي
تصدیق کي - غالباً اسي قسم کي مثالوں سے یورپ میں بعض
لوگوں کو خیال پیدا ہوا ہے که بندر بھي بول سکتے ہیں -
چنانچه مشہور ہے که ایک صاحب نے مدت کے تجربه اور
تحقیق کے بعد اِس زبان کے چند حروف دریافت کئے ہیں -

بجائے کان بولتے ھیں - اور جلیبہ کے بجائے جلیبنہ - وعلیٰ ھذا " جب علامۂ موصوف کے عہد میں یہ حال تھا تو مرھٹوں اور گجراتیوں کے اختلاط کے بعد یہاں کي زبان کي نسبت کیا شکایت ھو سکتي ھے -

عدن میں ایک جرمني ھمارے جہاز پر سوار ھوا جو جرمن کے مشہور عجائب خانہ کا ملازم ھے اور مدت تک اِن اطراف میں رہ کر یورپ کو واپس جا رھا ھے - سیاحي و تجارت کي بدولت وہ متعدد زبانوں میں بے تکلف بات چیت کر سکتا ھے - جب وہ جہاز کے افسروں سے اٹالین میں - آرنلڈ سے انگریزي میں مجھسے عربي میں گفتگو کرتا تھا - تو مجکو سخت تعجب اور رشک ھوتا تھا - کھانے کي میز پر جب ھم سب جمع ھوتے تھے تو یہي ایک شخص تھا - جو سب کا ترجمان بنتا تھا - اُس نے عرب و افریقہ کے جنگلوں سے بہت سے عجیب و غریب جانور بہم پہونچائے ھیں - ایک بڑے پنجرے میں افریقہ کے بندر تھے - جنکي

کسي 'هندو' کي زبان سے اِس مقدس زبان کے الفاظ نہیں سنتے تھے - بنیون اور بقالوں کو اَیْنَ تَرُوحُ مَاتَبْغِی(۱) بولتے دیکھکر عجب مزہ آتا تھا -

یہاں کی زبان گو عربي ہے - لیکن نہایت بیہودہ اور غیر فصیح ہے - اگرچہ آجکل تمام اُن ملکوں میں جہاں عربي بولي جاتي ہے قدیم عربي نہیں - لیکن عدن کي زبان سب سے نرالي ہے - دو چار معمولي الفاظ کے سوا میں کچھہ نہیں سمجھہ سکتا تھا - غالباً یہاں کي زبان ایک مدت سے اجنبیوں کے اختلاط سے خراب ہوتے ہوتے اِس حالت کو پہنچي ہے ' علامہ مقدسي ' جو عرب کا ایک نامور سیاح گذرا ہے - اور جس نے چوتھي صدي کے آغاز میں دنیا کا سفر کیا تھا - اپنے جغرافیہ میں لکھتا ہے کہ " عدن میں جو قومیں بستي ہیں - اُن میں زیادہ اہل فارس ہیں " علامہ موصوف نے یہ بھي لکھا ہے کہ " یہاں عموماً جیم کے

---

(۱) کہاں جاتے ہو - کیا چاہتے ہو -

' قم ' یا ' ھم ' آرنلڈ پاس تھے - میری تغیر حالت پر اُنکو خیال ھوا - میں نے دل کی کیفیت اور اِس کا سبب بیان کیا - ایک بار آنکھہ اُٹھاکر میری طرف دیکھا اور چپ ھو رھے شہر میں جاکر جب میں نے تحقیق کی اور تمام باتوں سے ثابت ھوگیا کہ ' سمالی ' قوم عرب نہیں ھے تو مجھکو کسیقدر تسکین ھوئی یہی غصہ اور رنج تھا - جس کی وجہ سے میں نے قصیدہ سفریہ میں اس کمبخت قوم کی سخت ھجوکی ھے - اور در حقیقت وہ اِس کے مستحق ھیں -

چونکہ وقت کم تھا اسلئے میں شہر کے اندرونی حصے کو نہ دیکھہ سکا - ھندوستان کو خط روانہ کئے -

عدن کی زبان

عدن کی زبان عموماً عربی ھے اور پارسی - ھندو بنگالی - جو تجارت یا نوکری کے ذریعہ سے یہاں رھتے ھیں بے تکلف عربی بولتے ھیں - چونکہ میں نے کبھی

اور جہاز والوں سے انعام لینے کے لئے عجیب عجیب مبتذل حرکتیں کرتے ہیں - کچھہ ناچتے گاتے ہیں - کچھہ آپسمیں ملکر چند بے معني الفاظ کہتے ہیں اور بغلیں بجاتے جاتے ہیں - بڑا کمال یہ ہے - کہ لوگ دوانّي - چونّي - پیسے - جو کچھہ اُنکو انعام دینا چاہتے ہیں - سمندر میں پھینک دیتے ہیں - اور وہ غوطے مارکر نکال لاتے ہیں - اکثر انگریز اس تماشے میں مشغول تھے اور آرنلڈ کو بھی اِس میں مزہ آتا تھا - لیکن میري کچھہ اور حالت تھی - چونکہ غلطي سے میرا یہ خیال تھا کہ یہاں عموماً عرب آباد ہیں - اِس لئے یہ طبعي بات تھي کہ میں اُنکو عزت اور محبت کي نگاہ سے دیکھتا - لیکن وہ انعام لینے کے لئے ایسي مبتذل - ناموزوں حقیر حرکات کرتے تھے کہ کسي طرح طبیعت کو گوارا نہیں ہو سکتا تھا - عبرت ہوتی کہ 'عرب' کيِ یہ حالت ہے کہ غیروں کے سامنے اِس قسم کي حرکات سے اُنکو شرم نہیں آتي - اِن خیالات سے بے اختیار میرا دل بھر آتا تھا - یہاں تک کہ آنکھوں سے آنسو جاري ہوگئے اور بے اختیار زبان سے نکلا

چھري پھیر دیتا تھا - اگرچه حنفیوں کے هاں یه ذبیحه حلال نهیں - لیکن اِس مسئله میں چند دنوں کیلئے میں شافعي بنگیا تھا - جنکے هاں هر طرح کا ذبیحه جائز هے -

جهاز پر مسٹر آرنلڈ وه آرنلڈ نهیں رهے تے جو علی گڑه میں تے - نه وه متانت تھي نه وه کم آمیزي - اکثر هنسي مذاق کیا کرتے - بچوں سے کھیلتے اور جهاز کي چھت پر اُچھلتے کودتے چلتے - میں نے حالات سفر کے متعلق ایک قصیده لکھنا شروع کردیا تھا - اور درحقیقت سمندر کي فضا کچھه ایسي دلچسپ اور نشاط انگیز هے که موزوں طبع آدمي جهاز کے سفر میں خواه مخواه گنگنا اُٹھتا هے -

مئي سنه ۱۸۹۲ ع کو جهاز عدن پهنچا - اور کنارے سے کسیقدر فاصله پر لنگر انداز هوا -

شمالي قوم کے مبتذل حرکات

عدن میں بڑي دلچسپي یه هے که ' سمالي ' قوم کے بهت سے لڑکے ڈونگیوں پر سوار هوکر جهاز کے قریب آتے هیں -

اگرچہ مجھکو اُسکي اِن حرکتوں سے رنج ہوتا تھا - لیکن
جو قوم ایک مدت تک ذلت کے ساتھہ عرب کے زیردست
رہچکي تھي 'عرب' اور عربي زبان کے ساتھہ اُسکا
یہ سلوک بیجا نہ تھا -

پرند جانور ذبح کئے جاتے تھے

چونکہ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ جہاز پر پرند
جانور ذبح نہیں کئے جاتے اور مولوي سمیع اللہ خانصاحب
نے اپنے سفر نامہ میں تجربہ سے اِس کي تصدیق بھي
کي ہے - میں نے دو تین روز تک پرند کے گوشت کھانے
سے پرہیز کیا - مسٹر آرنلد نے مجھسے اِس کا سبب
دریافت کیا - میں نے کہا کہ ہمارے مذہب میں **منخنقہ**
حرام ہے - بولے نہ اِس جہاز پر پرندہ جانور ذبح کئے
جاتے ہیں - گردن مروڑ کر مارے نہیں جاتے - چونکہ
شرعاً اِن کي تنہا شہادت کافي نہ تھي میں خود گیا
اور اِس کي تصدیق کي - ذبح کرنے والا عیسائي تھا -
وہ ذبح کرنے کے وقت کچھہ پڑھتا نہ تھا - صرف گردن پر

اور بھوک خوب لگتی تھي - ہم لوگوں کو پانچ وقت کھانا ملتا تھا - یعني صبح کو آتھہ بجے چائے - دودہ بسکٹ - گیارہ بجے معمولي کھانا - جس میں متعدد قسم کے سالن ہوتے تھے - ایک بجے 'تفن' - پانچ بجے 'ڈنر' - جس میں معمولي گوشت کے علاوہ - مرغ - بط - کبوتر - ہر قسم کي پڈنگ - تر اور خشک میوے ہوتے تھے - کبھي برف کي قفلیاں بھي ہوتي تھیں - رات کو نوبجے چائے اور مکھن - ہر وقت کا کھانا پیٹ بھرکر کھاتے تھے اور سب ہضم ہو جاتا تھا -

ایک عیسائي کا عربي زبان کے ساتھہ تعصب

میں تمام دن دریا کے سیر وتماشے میں مشغول رہتا تھا - مسٹر آرنلڈ نے عربي پڑھني شروع کردي تھي - ہمارے ساتھہ جو 'اسپین' کا عیسائي تھا - مسٹر آرنلڈ کے عربي پڑھنے سے بہت جلتا تھا - اکثر اُن کے پاس آتا اور تحقیر کیساتھہ عربي حرفوں کو نہایت برے لہجہ سے ادا کرتا اور کہتا کہ یہ زبان - اونٹوں کي زبان ہے -

کھانی تو عجیب کیفیت تھی - دوران سر اور متلی کی ایسی سخت تکلیف جو کسی طرح بیان میں نہیں آسکتی - دو دن تک غشی کی سی حالت رہی - جہاز کا ملازم کبھی کبھی چاء - بسکٹ - نارنگیاں لاتا تھا کہ کچھہ کھالو - لیکن اِن چیزوں کے دیکھنے سے اُبکائی آتی تھی - مسٹر آرنلڈ چائے ہی لیا کرتے تھے - اگرچہ هضم نہیں هوتی تھی - لیکن قی کرنے سے طبیعت هلکی هوجاتی تھی - اِن کے اصرار سے میں نے بھی دو ایک بار چائے پیکر قی کی اور فائدہ محسوس هوا - تیسرے دن هم سب اُٹھہ بیٹھے -

سمندر کی هوا

هم سنا کرتے تھے کہ سمندر کی هوا تندرستی کیلئے نہایت مفید هے - درحقیقت جہاز کا سفر سو علاجوں کا ایک علاج هے - میں جہاز پر سوار هونے کے وقت تک ضعیف اور مضمحل تھا - لیکن روز بروز چاق و چست هوتا گیا - طبیعت کو هر وقت نشاط رهتا تھا -

سفر کے ضروری کاموں میں صرف کیا اور بمبئی میں
جو اسلامی مدرسے اور انجمنیں ہیں اُنکی سیر نہ کرسکے
کک کمپنی کی معرفت جہاز کا ٹکٹ لیا - جس جہاز پر
ہم جانیوالے تھے - اُس کا کرایہ بمبئی سے پورٹ سعید
تک سکنڈ کلاس کا ۲۱۰ تھا - میں نے یہ سخت
غلطی کی کہ 'ریٹرن ٹکٹ' نہیں لیا - جس کا نتیجہ
یہ ہوا کہ واپسی کیوقت پورٹ سعید سے بمبئی تک کے ۲۱ پونڈ
یعنی ۳۳۵ روپیہ دینے پڑے - پہلی مئی کی صبح کو نو بجے
ہم جہاز پر سوار ہوئے - تقریباً بارہ بجے جہاز نے لنگر
اٹھایا اور ہم نے بِسْمِ اللهِ مَجْرِيهَا وَمُرْسٰهَا پڑھکر ہندوستان کو
خدا حافظ کہا - سیکنڈ کلاس میں صرف پانچ مسافر تھے
اور یہ عجیب اتفاق کہ سب کے سب مختلف قوم اور
مختلف نسل سے تھے - یعنی ایک مسلمان - ایک انگریز -
ایک پارسی - ایک اسپنیز - ایک سیامی -

جہاز کی حرکت اول اول تو چنداں ناگوار نہیں
معلوم ہوئی - لیکن شام کے قریب طبیعت متغیر ہونی
شروع ہوئی - رات کا کھانا کھا کر سو رہے - صبح کو آنکھ

مسٹر آرنلڈ نے حاجي رحمت الله ابن داءود کو جو بمبيء
کے ایک معزز اور روشنضمیر تاجر هیں خط کے ذریعه سے
اپنے آنیکی اطلاع دیدي تهي - جس میں میري معیت
کا بهي ذکر تها - چونکه اتفاقاً همارے پہلے انتظام میں
کسي قدر تبدیلي هوگئي - هم لوگ تاریخ معینه کے
دو دن بعد بمبيء پہونچے - مسٹر آرنلڈ میرا اور
اپنا اسباب لیکر ' وسٹن هوٹل ' کو گئے - میں بازار میں
پهر رها تها که ایک لڑکے سے ملاقات هوئي - میں نے
اُس سے پوچها که تم حاجي رحمت الله کو جانتے هو -
بولا که آپ مولوي ' شبلي ' تو نهیں هیں ؟ میں اُسکے
اس تفرس پر جو کشف سے کم نه تها - حیرت زده
هوگیا - اُس نے کہا که هم دو دن سے آپ کیلئے حیران
هوتے هیں - چلئے حاجي صاحب آپکا انتظار کر رهے هیں -
حاجي صاحب نے مسٹر آرنلڈ کو بهي هوٹل سے بلالیا -
اور هم دونوں اُن کے باغ میں ٹهیرے -

جس روز بمبئي پہونچے اُس کے دوسرے دن همارا
جهاز روانه هونیکو تها - اسلئے هم نے اپنا تمام وقت

صاحب موصوف کے پاس گیا کہ میں بھي آپکے ساتھہ چلتا هوں - اُنھوں نے نہایت خوشي ظاهر کي اور فرمایا کہ جہانتک ممکن ہے سفر کے ضروري کاموں میں تمکو مدد دوں گا -

اُسوقت جہاز روانگي میں صرف تین چار روز باقي تھے - احباب اور اعزہ نے سنا تو سخت متعجب هوئے اور اکثروں نے سمجھایا کہ اِس جلدي اور بے سر و ساماني کے ساتھہ اتنا بڑا سفر کونسي دانشمندي کي بات ہے - میں نے کہا - ع

هرچہ بادا باد من کشتی در آب انداختم

کالج میں گرمیوں کي تعطیل معمولاً تین مہینے کي هوا کرتي ہے - مدت ملازمت کے لحاظ سے مجھکو تین مہینے کي 'پریولج' رخصت کا حق تھا - اسطرح دونوں کو ملاکر چھہ مہینے کي رخصت ملگئي - اور ۲۶ اپریل سنہ ۱۸۹۲ ع کو میں علیگڑھہ سے چل کھڑا هوا - مسٹر آرنلڈ - اپنے ایک دوست سے ملنے کے لئے ایک دو دن پہلے جھانسي روانہ هو گئے تھے - جھانسي کے اسٹیشن سے انکا ساتھہ هوا اور تمام راہ بڑے لطف و مسرت سے کٹي -

سفر کے ارادہ کا سبب

اگرچہ یہ عزم مستقل ہو چکا تھا لیکن چند درچند اسباب سے دیر ہوتي گئي - یہاں تک کہ بظاہر اسباب نا اُمیدي سی پیدا ہوگئی - اور وہ عزم ایک ضعیف سا خیال رہ گیا - گذشتہ سال عجیب اتفاقي طور پر اس ارادہ کو تحریک اور تحریک کي ساتھہ تکمیل ہوئي - پچھلے سال میں اکثر بیمار رہا یہاں تک کہ علاج سے تنگ آکر تبدیل آب و ہوا کا ارادہ کیا - چنانچہ مکان وغیرہ کے بندوبست کیلئے الموڑہ اور کشمیر میں دوستونکو خط لکھے - اِسي اثناء میں معلوم ہوا کہ مسٹر آرنلڈ - جو مدرسة العلوم کے پروفسر فلاسفي اور میرے استاد ہیں (میں نے اُنسے فرنچ زبان سیکھی ہے) آج ہي کل ولایت جانیوالے ہیں - دفعةً خیال آیا کہ 'مصر و روم' کا سفر - آب و ہوا کي تبدیل مسٹر آرنلڈ کا ساتھہ - اتفاق سے یہ سامان جمع ہو گئے ہیں - اِس موقع کو ہرگز ہاتھہ سے نہیں دینا چاہئے چنانچہ اُسي وقت

انتخاب از سفر نامۂ روم مصر و شام

- مصنفۂ -

مولانا شبلي نعماني

سفر کا ارادہ اور آغاز

جس زمانہ میں مجھکو 'هیروز اف اسلام' کا خیال پیدا ہوا اُسیوقت یہ خیال بھي آیا کہ ہمارے ملک میں جسقدر تاریخی سرمایہ موجود ہے وہ اِس مقصد کیلئے کسیطرح کافي نہیں ہو سکتا - یہي خیال تھا جس نے اوّل اوّل اِس سفر کي تحریک دل میں پیدا کي کیونکہ یہ یقین تھا کہ 'مصر و روم' میں اسلامي تصنیفات کا جو بقیہ رہ گیا ہے اُن سے ایسا سلسلۂ تالیف ضرور تیار ہو سکتا ہے -

گرویدہ کرلے مگر یہ لفافہ کئے دن کا - کفن کے میلے ہوتے دیر بھی لگتی ہے اور یہ تو آج قبر میں رکھا اور تیسرے دن بھانڈا پھوٹا *

افسوس ہے کہ اُس کو بدي کا پردہ‌دار بنایا جائے تو اس کے یہ معني ہوں گے کہ پولیس چوروں کا تھانگي - مگر انسان کي سرشت ہي اس طرح کي واقع ہوئي ہے کہ وہ اپني بدي سے نہیں چوکتا یہاں تک کہ مذہب میں بھي - مگر ایک دن آئے گا کہ اس کي ساري شرارتیں اِس پر اور جن کو اپنے زعم میں دھوکا دے رہا ہے اُن پر ظاہر ہوں گي - یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ مَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ [۱] آدمي بھي ایک طرح کا سربند لفافہ ہے اور خدا نے اس کو ایسي مضبوطي سے بند کیا ہے نہ دوسرے تو اس کے اندر کا حال کیا جان سکتے ہیں یہ خود بھي اپنے دل کے کونے کھدروں سے اچھي طرح واقف نہیں - مرے پیچھے یہ لفافہ کھولا جائے گا اور اُس وقت معلوم ہوگا کہ خط میں کیا لکھا ہے - اب تو جس کا جي چاہے لفافے کو خوش نما بنا کر لوگوں کو

---

[۱] اپنے نزدیک اللہ کو اور مسلمانونکو دھوکا دیتے ہیں اور نہیں دھوکا دیتے مگر اپنے تئیں اور اتني بات بھي نہیں سمجھتے -

خدمت نہیں، مسلمان بھائي کي غلطي دیکھي نہین جاني تو خشونت کیوں دل آزاري کس لئے - اور صاف صاف بات تو یہ ہے کہ جب اِس پیشہ ٹھیرا لیں اور معاش کے لئے اسي پر دھرنا دے کر بیٹھیں تو بدگماني نہ ھوتي ھو تو ھو- دوسروں پر اثر ڈالنے کے لئے ضرور ہے خلوص - اور شائبہ غرض کے ھوتے اول تو خلوص ھو ھي کیوں اور ھو تو آدمي فرشتہ ہے، ورنہ نیکي برباد گناہ لازم - غرض مذھب بھی عجب تماشے کي چیز ہے - اس کي عینک آنکھوں سے لگالو تو دوسروں کے تُس لتّے اور شہتیر دکھائي دینے لگیں- اور اپنے پہاڑ اول تو دکھائي نہیں دیں گے اور دکھائي دیں گے بھي تو رائي یا خشخاش یا بہت غور سے دیکھو تو جیسے تل - کبر اور خودپسندي کو اگر درخت فرض کریں تو مذھب سے بہتر اِس کے لئے کوئي کھاد نہیں - اِدھر ڈالا اور ادھر بھان متي کے درخت کي طرح پتّے پھول پھل سب کچھہ طیار موجود مذھب ایجاد تو ھوا بدي کي بیخ کني کے لئے،

ان کو دوسروں کے عیب دیکھنے سے فرصت نہیں کہ اپنے عیوب پر نظر کریں - اپني نجات سے ایسے مطمئن ہیں کہ عشرۂ مبشرہ کو بھي ایسا اطمینان نصیب نہ ہوا ہوگا کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود بشارت کے بھي وہ لوگ مرتے دم تک خدا کي بے نیازي سے ڈرتے ہي رہے اور اِن کو شاید کبھي بھول کر بھي خیال نہیں آتا کہ ہم کو بھي خدا کے یہاں چل کر کچھہ جواب دہي کرني ہے - اصل میں تو کبر یا حسد یا طمع دنیا یا حبِ جاہ یا اسي طرح کي کوئي اور خباثت باعث ہوتي ہے اور امر بالمعروف اور نہي عن المنکر کا حیلہ بنا رکھا ہے ' گویا تمام بندگان خدا کے اعمال کي باز پرس ان سے ہوتي ہے اور یہ خود مرفوع القلم ہیں - نفسي نفسي کي بستي سے نکل مارے شیخي کے اُمتي اُمتي کي معراج پر جا دھمکے اور یہ نہ سمجھے کہ یہاں سے پاؤں پھسلا تو پھر اسفل السافلین سے ورے کہیں آدمي کا ٹھکانا ہي نہیں - اور اگر خدا نے دل ہي ایسا دیا ہے کہ پیغمبري نہیں ' محتسبي کي

جس کا ضروري نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان روز بروز مفلس
اور ذلیل ہوتے چلے جاتے ہیں - جتنے ذریعے معاش
کے دنیا میں ہیں اور ہوسکتے ہیں سبہي میں مسلمان
دوسري قوموں سے ہٹے ہیں - کیا نوکري کیا تجارت
کیا زمینداري کیا دستکاري کیا کچھہ کیا کچھہ -
اور جو دو چار نے اس لم کو سمجھا ہے اور اب
پچھتاتے اور اپني دنیاوي حالت درست کرني چاہتے
ہیں اُن کو اپنے ہي بھائي بند چین نہیں لینے دیتے
کہ دنیا کے پیچھے دین کو چھوڑ بیٹھے - عاقبت خراب
کي' ان کا پاني پینا روا نہیں' ان سے رشتہ ناطہ
کرنا درست نہیں - اور جو لوگ اس طرح منھہ بھر بھر
کے دوسروں کو برا کہتے ہین وہ اگر اپنے نفس کا احتساب
کریں تو پائیں گے کہ ان ہي کے خیال کے مطابق
دوسروں کي آنکھہ میں ناخنہ ہے تو ان کي اپني
آنکھہ میں تینڈت' دوسرون کو خارش ہے تو ان کو
کوڑہ' دوسروں کو خفقان ہے تو اِن کو جنون اور جنون
بھي مطبق - مگر خدا نے دلوں پر مہر لگا دي ہے -

ملتا - اور بعض بھر بھریا ہوتے ہیں کہ جو اُن کے دل میں ہے وہی اُن کی زبان پر ہے - لیکن اتفاق سے سید صادق کو آنے کے ساتھ اُن ہی لوگوں سے سابقہ پڑا جن کو اِس کے سے خیالات چھو بھی نہیں گئے تھے - یہ تو کیوں کر کہیں کہ سید صادق کو ہندوستانی سوسائٹی کا حال معلوم نہ تھا - وہ ہندوستانی سوسائٹی میں پیدا ہوا - ہندوستانی سوسائٹی میں اس نے پرورش پائی اور وہ بھی ہندوستانیوں میں کا ایک ہندوستانی تھا مگر اس نے ہوش سنبھالا علی‌گڑہ کالج میں - پس سوسائٹی کے متعلق اِس کی معلومات بیشتر کتابی تھی کہ وہ اخبار میں کتابوں میں ہندوستانیوں کے حالات پڑھتا رہتا تھا - اب جو لوگوں سے مِلاجُلا تو جانا کہ جو کچھہ جانتا تھا اُس کو واقعات سے اتنی بھی تو نسبت نہیں جتنی چھٹاک کو من سے - اِس کو خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ مسلمانوں نے مذہب کا یہ حال کر رکھا ہے اُس میں اور دنیا میں اس طرح کا بیر ہے کہ دونوں جمع ہو ہی نہیں سکتے

اگر ایسے مذاق ہوتے تو یہ روزبد ہي کیوں پیش آتا - سید صادق کو معلوم تھا کہ طالب العلمي کے بعد ہندوستاني سوسائٹي کو اوڑھنا بچھونا بنانا پڑے گا اور اسي غرض سے اُس نے خانہ‌داري ہي کا تعلق پیدا کیا تھا - مگر یہ ایک تعلق سوسائٹي کا کام تو نہیں دے سکتا - بلکہ اس کے ہوتے سوسائٹي کي ضرورت بڑھتي جاتي ہے - پس چار و ناچار اِس کو لوگوں سے ملنا پڑتا تھا - آدمي کہاں تک کتاب دیکھے اور کب تک عورتوں کي طرح گھر کي چار دیواري میں بند رہے - دلّي جیسے شہر میں سید صادق کو معدودے چند اپنے ہم خیال بھي کیوں نہیں مل سکتے تھے آخر برسوں سے انگریزي تعلیم ہو رہي ہے اور یہ تو ممکن ہي نہیں کہ آدمي مشن سکول میں نہ سہي کہیں بھي انگریزي پڑھے اور اُس کے خیالات بالکل ویسے کے ویسے ہي رہیں جیسے في زماننا عام مسلمانوں کے ہیں - ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ بعض اپنے خیالات کو ظاہر نہیں کرتے یا اِن کو ظاہر کرنے کا موقع نہیں

میں توانائی نہیں اُس کے دماغ میں طاقت نہیں '
دل میں قوت نہیں ' عقل میں تیزی نہیں ' ذہن
میں رسائی نہیں - کبھی دیکھا ہے روگی ماں باپ کی
اولاد چونچال تن درست ؟ کہیں سنا ہے مرجھائی ہوئی
ٹہنی کے پتے ہرے بھرے شاداب ؟

غرض سید صادق نے کھیل بھی کھیلے تو مگر وہی
کھیل جن سے مقصود تھی ریاضت اور تفریح اور وہ
بھی قاعدے سے اپنے ہم جماعتوں کے ساتھ ' اُستادوں
کے ساتھ ' سرکاری عہدہ داروں کے ساتھ - اس کو نہ
یہاں کے کھیل آتے تھے اور نہ وہ ایسے جلسوں کو پسند
کر سکتا تھا - پس حقیقت میں نہ وہ ہندوستانی
سوسائٹی کے قابل تھا اور ہندوستانی سوسائٹی اُس
کے لائق - اُس کی طبیعت ڈھونڈھتی تھی وہی کالج
کی صحبتیں کہ پڑھنا ہے تو ' اور باتیں ہیں تو '
اور کھیل ہے تو ' تمام وقت کسی نہ کسی شغل میں
مصروف ہے اور شغل بھی مفید اور دل چسپ - تعلیم
کی تعلیم اور تفریح کی تفریح - ہندوستانیوں میں

جا سکتي هے وہ بهي سو دوا کي ایک دوا هے اور
پهر نہ هلدي لگے نہ پهٹکري - اور علي گڑہ کالج
میں جو لڑکوں سے محنت لي جاتي هے تو خدا نخواستہ
کچهہ پتهر تهوڑا هي ڈهلواے جاتے یا لکڑیاں تهوڑا
هي چروئي جاتي هیں - یهي کود پهاند دوڑ دهوپ
جس میں اِن کے اعضا چست و چالاک رهیں - جس
کو عادت نہیں اُس کو شروع شروع میں ذرا سي محنت
بهي ناگوار گزرتی هے لیکن آهستہ آهستہ ایک حد
اعتدال تک عادت ڈالي جائے تو آرام سے زیادہ اس
میں راحت ملتی هے - جسکو یقین نہ هو هماري خاطر
سے زیادہ نہیں ایک چلّہ اس صلاح پر عمل کرکے
دیکهے کچهہ فائدہ معلوم نہ هو تبهی اُلاهنا دینا -
لیکن لوگوں نے اِس کو کچهہ ایسا عیب سمجهہ رکها
هے کہ جہاں تک هو سکتا هے کوئي هل کر اپنے هاتهہ
سے پاني نہیں پینا چاهتا - اور طالب العلموں کے
حق میں تو ایسي سختي هے کہ گویا پڑهنے اور لکهنے
میں بیر هے اور اتنا نہیں سمجهتے جس کے بدن

نادانی یہ کی کہ آغا سے گتھہ گئے - اُس نے موقع پا
ایک تو اِس بغل میں دابا اور دوسرے کو دوسری
بغل میں - اِس نے تو اپنے نزدیک آہستہ ہی سے دبایا
تھا مگر اُن میں کا ایک آج تک کوب لئے پھرتا ہے
اور دوسرا مدتوں خون تھوکتا رہا - اب سنا اچھا
تو ہو گیا ہے مگر جاڑے کے دنوں میں مارے پسلیوں
کے درد کے بےچارے سے سانس نہیں لیا جاتا -

خیر بنی آدم میں یہ ولایتی پٹھان تو اور ہی
نسل کے ہیں اور اُن کی سی بات حاصل کرنی تو
مشکل بلکہ محال ہے مگر اِس کی عقلی دلائل موجود
ہیں نہ اگر ہم اپنے طرز تمدن میں صفائی کے قاعدوں
کی پوری پوری رعایت کریں اور جسمانی ریاضت
کی عادت ڈالیں تو آئیندہ کی نسلیں بہت بہتر ہو
سکتی ہیں - یہ سچ ہے کہ ہم لوگ گرم ملک کے رہنے
والے ٹھیرے - ہم کو خدا نے محنت کے لئے پیدا نہیں
کیا اور نہ ہم سے محنت کا تحمل ہو سکتا ہے - لیکن
اگر شاقہ محنت نہ ہو تو جس قدر برداشت کی

چاقو کو قسائي کے بُغدے سے بھڑاتے ہیں - ساري عمر ہم نے سرکار کا نمک کھایا ' حکم کي تعمیل میں مجال عذر نہیں پچھڑینگے تو نہیں مگر اس کے ہاڑ تو ملاحظہ کیجئے کہ کلائي دونوں ہاتھوں میں سماني مشکل ہے - سرکار کو جان ہي لینا منظور ہے تو بسم اللہ - اِس کا دبوچا ہوا آدمي پھٹکا بھي تو نہیں کھانے کا - اونٹ کي پکڑ کو اِس کي پکڑ سے کیا نسبت -

صاحب عالم سمجھے تو سہي مگر سارے میں غل مچ‌ا چکے تھے کس طرح کشتي کو ملتوي کر دیتے ؟ بارے لوگوں نے ولایتي سے کہا کہ آغا اِن لوگوں میں سے جس کے ساتھ تمہارا جي چاہے کشتي لڑو -

آغا - " ہم سب کے ساتھ لڑے گا - "

اب تو پہلوانوں کے دم میں دم آیا کہ خیر ایک کي دارو دو - اُستاد اور شاگرد سارے کا سارا اکھاڑا اکیلے کو لپٹ پڑا - جرجو داؤ پیچ یاد تھے سب ہي نے تو چلائے - آغا ہیں کہ قطب از جا نجنبد ' لوہے کي لاٹ کي طرح گڑے ہوئے کھڑے ہیں - ان لوگوں نے

کرتب دکها رہا ہے - اتنے میں غل ہوا کہ وہ پٹھان آیا - جوں اُس کو لاکر اکھاڑے کے پاس کھڑا کیا اُس کا پھیلاؤ دیکھہ کر پہلوانوں کا رنگ فق ہوا - اب کسی کی ہمت نہیں پڑتی کہ موت کے مُنھہ میں جائے - اور ولایتی ہے کہ زمین میں آلتی پالتی مارے ہینگ کے مشکیزے کا گاؤ تکیہ بنائے نظر حیرت و تعجب سے سب کو بیٹھا دیکھہ رہا ہے اور اُن پہلوانوں کو سمجھتا ہے کہ نٹوں کا تماشا کر رہے ہیں - اکھاڑے کا اُستاد اگرچہ تھا تو عمر سے اُترا ہوا - مگر اُسکا بدن ایسا مرتب تھا اور اُس کو ایسے ایسے داؤ گھات یاد تھے کہ یکایک کوئی اِس سے لڑنے کا ہامی نہیں بھرتا تھا مگر وہ خوب جانتا تھا - ع

فربہی چیزے دگر آماس چیزے دیگرست

اُس نے چپکے سے صاحب عالم کے پاس جاکر عرض کیا کہ آج تک آپ کے اکھاڑے نے کسی سے نیچا نہیں دیکھا اور اُستاد کی برکت سے ہمارے یہاں کے پٹھے بھی اپنے وقت کے رستم و اسفندیار ہیں ' لیکن سرکار راجرس

معلوم ظالموں نے کیا تدبیر کي - ایک اکھڑ وحشي
ولایتي کو کچھہ دے کر شاھي پہلوان کے ساتھہ لڑنے کو
راضي کرلیا - ولایتي کو ھم نے بھي دیکھا تھا سچ تو
یہہ ھے کہ مارے دھشت کے نظر نہیں تھیرتي تھي -
آدمي کاھے کو تھا ایک دیو تھا - بالوں کي لٹیں
کندھوں تک لٹکي ھوئیں - میلے کثیف کپڑے -
چار چار پانچ پانچ گزے مست دنبے کي سي بو ایسی
سخت کہ ناک نہ دي جائے - پیٹھہ پر ھینگ کا مشکیزہ -
ادھر جوتیوں سے اور اُدھر مشکیزے سے چرچر کي آوا؛
چلی آئے - خونخوار آنکھیں - ڈراؤني صورت - لوگ
جو اُس کو بھلا پھسلا کر لائے تھے اُس کے گرداگرد ایسے
معلوم ھوں جیسے بڑے آدمي کے آگے بچّے - اور یہاں
اکھاڑے میں پہلوان بڑے جھوم رھے تھے - کوئي ڈنڑ
پیل رھا ھے، کوئي تین سوا تین من کي جوڑي کے
رومالي ھاتھہ اس خوبصورتي اور صفائي سے ھلا رھا
ھے کہ سارے تماشائیوں کي ٹکٹکی اُس پر بندھي ھے،
کوئي لیزم کي کثرت کر رھا ھے، کوئي بیٹھکي کے

داروغہ جي دينا ان کو ايک دوشالہ - اور بھائي تم هي اس کشتي کا اهتمام بھي کرنا - اور ميں حضور ميں بھي عرض کروں گا - سرفراز فرمائيں گے - "

مصاحب - " پير و مرشد سرفراز فرمانا کيسا بہت محظوظ هوں گے اور خانہ زاد نے جو کچھہ عرض کيا هے حرف بحرف اس کي تصديق هو جائے گي - سرکار کو تو معلوم هے کہ جناب عاليہ کے آپ خاصہ کي خدمت غلام کي خالہ جان کو هے - وہ کل بھي کہتي تھيں کہ جناب بيگم صاحب بيٹھي تاش کھيل رهي تھيں، ديکھتے کيا هيں کہ حضور والا تشريف لئے چلے آرهے هيں - جناب عاليہ کے ساتھہ تخليہ هوا تو خالہ جان نے اپنے کانوں حضور کو سرکار کا نام لے کر فرماتے سنا کہ ساري ادائيں اور رنگ زيب کي سي هيں - سپاهيانہ مزاج واقع هوا هے اور شوق بھي هيں تو اِس قسم کے اگر موقع ملا تو يہ لڑکا انگريزوں سے ملک آبائي اگلوا کر رهے گا - "

اتنا کہنا تھا کہ صاحب عالم نے بڑے دنگل کي طياري کا حکم ديا اور مصاحبوں کي بن آئي - نہيں

اِس پر ایک حکایت یاد آئی ھے کہ جن دنوں قلعہ آباد تھا تو سلاطین کو سوائے اوقات گزاری کے اور کوئی کام نہ تھا - نکمّے بیٹھے بیٹھے اِن کو ایسے ھی مشغلے سوجھتے تھے کہ ستار بجا رھے ھیں' یا بٹیریں لڑا رھے ھیں یا شطرنج کھیل رھے ھیں، یا اس کی دھن ھے کہ کوئی ایسی قسم کا کھانا پکوائے کہ کوئی پہچان نہ سکے - چنانچہ ایک صاحب عالم کو پہلوانوں کی کشتی دیکھنے کا بہت شوق تھا - بہت سے پہلوانوں کے راتب بندھے تھے اور اُنھوں نے ایسی ایسی جوڑیں طیار کی تھیں کہ جاڑوں میں جا جا کر کشتیاں مارتے تھے - ایک مصاحب کو یہ سوجھی کہ ان دنوں ولایتی میوہ فروش آئے ھوئے ھیں' کسی ولایتی کو ایک پہلوان سے لڑوایا جائے - صاحب عالم اِس ایجاد کو سن کر پھڑک گئے اور فرمایا "بھائی واللہ تخت کی قسم ھے - کیا بات پیدا کی ھے! معمولی کشتیاں دیکھتے دیکھتے جی اُکتا گیا - ولایتی کُشتی میں مزہ تو خوب آئے گا - دیکھیں وہ پیچ کا کیا توڑ کرتا ھے -

شہر کي بھیڑ دیکھہ کر بیل بدکے، گاڑي کا ایک
پہیہ نالي میں جاتا رہا - بیلوں نے بہتیر زور مار
پہیہ جگہ سے نہ کھسکا - گاڑي بان نے اُتر کر کمر کا
سہارا لگا بات کي بات میں گاڑي کو ایسا دھکّا دیا
کہ بیچ سڑک میں - نہ دیہاتیوں کا پاني نہ شہریوں
کا ماءاللحم - نہ ان کا چبینا اور نہ ہمارے بادام
پستے - بےشک شہر اور دیہات کي آب و ہوا میں
بھي بہت بڑا فرق ہے - مگر دیہاتیوں کي توانائي
اور اُن کا تانٹاپن ہے محنت کي وجہ سے - شہر کي
ایک تو کثرت آبادی کي وجھہ سے آب و ہوا خراب
اس پر محنت و مشقت ندارد، جسکو دیکھو بدن پر
بوٹي نہیں اور بوٹي ہو تو کہاں سے ہو، بےچارے کو
کبھي کھل کر بھوک نہیں لگتي اور مارے ہَوکے کے
کچھہ بےاشتہا کھا لیتا ہے تو ہضم نہیں ہوتا - اور
جو ہم میں پہلوان کہلاتے ہیں سینہ اُبھرا ہوا ہے،
قبضے چڑھے ہیں، دیکھنے کو موٹے تازے، داؤ پیچ بھي
خوب رواں - مگر اصلي بل بوتا تو اِن میں بھي نہیں -

بادي ميں بهر جاتا ' دانه گهاس اچهي طرح هضم
نهيں كر سكتا ' تهوڑي دور چلنے سے هانپنے لگتا '
كوس دو كوس دوڑانا چاهو تو دوڑ نهيں سكتا - يهي
حال آدمي كا هے كه اگر وه اپنے هاتهه پاؤں سے كام
نهيں ليتا تو اگر اور كوئي بيماري اس كو نه بهي
ستائے يه كيا تهوڑي بيماري هے كه وه اپاهج هوجاتا
هے - اسي آرام طلبي كے نتيجے هيں كه هماري عمروں
كے اوسط گهٹتے اور هماري نسليں كم زور هوتي چلي
جاتي هيں - خير كابل كے پٹهانوں اور لوگوں كے ساتهه
تو هم هندوستاني گرئيں كيا مقابلے كريں گے اپنے هي
ملک كے ديهاتي كبهي شهر ميں آنكلتے هيں تو اُن
كو ديكهه كر عقل حيران هو جاتي هے كه الٰهي يه
بهي آدمي هيں جن كي كاٹهياں لوهے كي اور هاتهه
پاؤں پتهر كے هيں - معلوم هے كه ساگ بهاجي اور
جوار باجرے كي روٹي كے سوائے اور كچهه ميسر
نهيں آتا - مگر يه آنكهوں ديكهي بات هے ايک ديهاتي
سو سوا سو من كي چوبلدي گاڑي هانكے لئے چلاجارها تها -

ملتی - اگر کوئي شخص گنجفه اچها کهیلتا هے تو اس
کے یه معني هیں که اُس کو پتّوں کي یاد داشت
اچهي هے - لیکن بازیوں کے ورق یاد رکهنے سے کتابوں
کے ورق تو کیا صفحه بلکه دو چار سطریں بهي یاد
نهیں هو سکتیں - اسي طرح بڑے سے بڑا شاطر شطرنج
کے نقشے میں خوب طبیعت لڑاتا هے مگر ایک سیدها سا
مقدمه اس کے سامنے بیان کرو تو سمجهه نهیں سکتا -
تدبیر سوچے گا کیا اپنا سر - غرض هندوستانیوں کے
جتنے کهیل هیں سب نکمے ' موجب تضیع وقت - اب
مدرسے کے کهیلوں پر نظر کرو تو نري جسماني ریاضت
اور تفریح طبع کے علاوہ دماغي زحمت کا کچهه
دخل نهیں کیوں که اوقات درس میں جتني دیر
پڑهنے میں مصروف رهے بس دماغي محنت بهتیري
هولي - اب کهیل میں بهي شطرنج کي طرح سوچنا
پڑے تو دماغ کهاں تک اس فشار کو وفا کر سکتا هے
اور اگر جسم سے بالکل کام نه لیا جائے تو جس طرح
گهوڑا تهان پر بندهے بندهے هڈّے مرترے نکال لاتا '

جانگلو پکڑ کر آیا ہے - ہاں صورت شکل تو ایسي
پائی ہے کہ ہزاروں میں ایک - جي چاہتا ہے کہ
بیٹھے دیکھا کیجئے - مگر تمھارا سر قرآن کي جگھہ ہے
بس دیوالي کي مورت جان نہیں منھہ میں زبان نہیں -
خیر ان بلاؤں سے تو خدا نے سید صادق کا پیچھا
چھڑایا اور آج کیا چھڑایا اس کا پیچھا اس دن سے
چھوٹتا ہوا تھا جب سے یہ علي گڑھہ کالج میں داخل
ہوا - کھیل تو لڑکوں کو وہاں بھي کھلائے جاتے ہیں
اور ایسي تاکید سے کہ جیسا پڑھنے کا اہتمام ویسا
بلکہ اس سے بڑھکر کھیلنے کا - مگر کھیل کھیل میں
فرق ہے - ایک تو ہمارے یہاں کے کھیل ہیں جن
میں سے اکثر بےسود اور بےسود ہوں تو خیر' الٹے مضر -
بد اخلاقي کي تمھید - کاهلي کي تعلیم - اور بعض
میں جو کچھہ دماغي فائدے نکل سکتے ہیں مثلاً
گنجفے میں حافظے کي ترقي' چوسر شطرنج میں غور
اور خوض کي عادت' تو ان میں بڑي قباحت یہ
ہے کہ دنیاوي معاملات میں اِن سے مطلق مدد نہیں

صادق کے بارے میں ان لوگوں کي یہ رائے تھی کہ آدمي ہے تو قابل ملاقات مگر خدا جانے علي گڑھہ کے نیچري نے کیا پڑھہ کر کان میں پھونک دیا ہے کہ یار لوگوں کے ہتّے پر چڑھنے والا نہیں - میر خسرو بھي اس کا ظاہر حال دیکھہ کر گرے ہیں' اب پچھتائیں گے - یہ عمر اور ایسا مردہ دل کہ کتنفي هي گدگدي کرو خبر نہیں - اس نے تو ملّانوں کو بھي مات کیا ہے - آدمي کي صورت سے جھیپتا ہے - اس سے نوکري چاکري کیا خاک ہوسکے گي - وہ ہاتھہ هي نہیں دھرنے دیتا ورنہ ہم دو تین ملاقاتوں میں اِس کو اپنے طور کا کرلیتے - اِس کي جھجک دور کرتے - اس کو علم مجلس سیکھاتے کہ اس کے دروازے پر بھي ایک جمگھٹا رہتا - عجب کُوڑمغز آدمي ہے - کسي چیز کا مذاق نہیں - گنجفہ' شطرنج' چوسر' پتنگ' بٹیر' مرغ' ستار' شعر و سخن' سیر و تماشا - ارے میاں میں نے اِس کو ہر طرح سے ٹٹولا اس عزیز کے کان پر جوں بھي تو نہ چلي - خدا جانے کس ملک کا

انتخاب از رؤیائے صادقہ

- مصنفۂ -

شمس العلماء مولوي نذير احمد صاحب مرحوم

خواجہ سلطان

خواجہ سلطان کے طور کے احدی بندے شہر میں بہتیرے هي بهرے پڑے تھے اور یہ لوگ اگرچہ اور سب باتوں میں تو احدي ہوتے ہیں مگر چل پھر کر اپنے ڈھب کے آدمي ڈھونڈھ نکالنے میں بڑے چالاک - سید صادق کو تازہ وارد سن کر دھر لپکے - لیکن سید صادق میں اور ان میں کوئي وجہ مناسبت تھي هي نہیں ' کسي کی دال نہ گلي اور پہلي هي ملاقات میں اپنا سا مُنہ لےکر بیٹھ رهے - ان کے جلسوں میں ذکر تذکرے تو هر طرح کے رهتے هی هیں سید

فہرست منتخبات اردو

- حصۂ اول -

(نثر)

انٹرمیڈیٹ

منتخبات اُردو

حصۂ اوّل ۔ نثر

مطبع جامعۂ کلکتہ میں طبع ہوا

سنہ ۱۹۳۸ ع

انٹرمیڈیٹ

منتخبات اُردو

حصۂ اوّل - نثر

مطبع جامعۂ کلکتہ میں طبع ہوا

سنہ ۱۹۳۸ ع